سنہ ۱۹۶۶ء میں ہندوستان اور پاکستان کے تمام رسالوں اور اخباروں میں شائع شدہ جوشؔ، فراقؔ، فیضؔ، عدمؔ، حفیظؔ، سردار جعفری، احمد ندیم قاسمی، قتیلؔ شفائی، کیفیؔ اعظمی، جمیلؔ مظہری، ظہیرؔ کاشمیری، اخترؔ انصاری، ناصر کاظمی وغیرہ اسّی سے زیادہ نئے پرانے شاعروں کی منتخب تخلیقات کا مرقع ۔ جسے اُردو شاعری کے مستند مرتّب پرکاش پنڈت نے ترتیب دیا ہے ۔

پرائیویٹ لمیٹڈ
جی۔ ٹی روڈ
شاہدرہ دہلی ۳۲

(کوہ نور پرنٹنگ پریس، دہلی)

۱۹۶۶ء کی منتخب شاعری

مرتبہ:- پرکاش پنڈت

1966 KI MUNTKHIB SHAIRI

POETRY

Edited by

PRAKASH PANDIT

قیمت ایک روپیہ

فہرس

نظمیں

غزلیں:

رباعیات:

قطعات:

دوہے:

نظمیں

متاعِ آخر | احمد الیاس

دوستو! تم اسے محسوس کرو یا نہ کرو
روشنی زہر کی لہروں میں سمٹ آئی ہے
چھلکے ہی چھلکے پڑے جاتی ہے شبنم کا لہو
آؤ وہ دیکھو شبِ ماہ کا قاتل سورج
اپنی کرنوں کا کمند پھینک رہا ہے ہر سو
کون ہے کون نہیں زد میں یہ سوچا نہ کرو

خواب کی لہر سمٹ آئی ہے آنسو بن کر
حاصلِ شب ہے یہی اس کو بچا کر رکھ لو
اپنی گم گشتہ سحر کی یہ متاعِ آخر
ہو سکے تو اسے دامن میں چھپا کر رکھ لو
حسرتِ دیدۂ نمناک کو رسوا نہ کرو

(سیپ)

○

سانجھ بھئی پردیس | ادا جعفری

بے کواڑ دروازے
راہ دیکھتے ہونگے
طاق بے چراغوں کے
اک کرن اُجالے کی
بھیک مانگتے ہونگے
کیوں جھجک گئے راہی !
کیوں ٹھٹک گئے راہی !
ڈھونڈنے کسے جاؤ
انتظار کس کا ہو
راستے میں کچھ ساتھی
رہ بدل بھی جاتے ہیں
پھر کبھی نہ ملنے کو
کچھ بچھڑ بھی جاتے ہیں
قافلہ کبھی ٹھہرا ؟
قافلہ کہاں ٹھہرا !
راہ کیوں کرے کھوٹی
کس کا آسرا دیکھے !
چند کانچ کے ٹکڑے
اک بلّور کی گولی

ننّھے مُنّے ہاتھوں کا
جن پہ لمس باقی ہے
زادِ راہ کافی ہے
خشک ہو چکے گجرے
کس گلے میں ڈالوگی
بھولی بھٹکی خوشبو !
کس کی راہ روکوگی
کس نے اشک پونچھے ہیں
کس نے ہاتھ تھاما ہے
اپنا راستہ ناپو
بے کواڑ دروازے
راہ دیکھتے ہوں گے
کل نئی سحر ہوگی
لاج سے بھری کلیاں
کل بھی مسکرائیں گی
کل کوئی نئی گوری
ادھ کھلی نئی کلیاں
ہار میں پروئے گی

(نقوش)

آخری پہچان | انوار انجم

اگر سنگدل ہے زمانہ تو کیا ہے
اگر ایسی دس شادیاں بھی مرے جسم کو قید کر لیں
تو کیا ہے
مرا ذہن جب بھی تمہارے فسانوں میں کھویا رہے گا
کہ دل کی روش پر بھلا کس کا پہرہ رہا ہے

اب اس بار جب دو سلگتے بدن آخری بار مل کر جدا ہو رہے ہیں
یہ وعدہ کرو
ان کی روحیں یونہی روز ملتی رہیں گی
تمہارے لبوں پر مرا نام اب بھی مچلتا رہے گا
تمہاری نگاہوں میں اب بھی ان آنکھوں کا نقشہ رہے گا
جو تمہارے لئے ٹکٹکی باندھ کر
دھیان کی سونی راہوں پہ بے چین بیٹھی رہی ہیں

مگر ہاں ذرا دیکھنا
اب وہ چونکہ ہمارے تمہارے بظاہر روابط
تو افسوس سب منقطع ہو چکے
اس لئے دوستوں میں مرے ذکر سے اب گریزاں سے رہنا

مرے جتنے خط ہیں خدارا، انہیں آگ میں ڈال دینا
کوئی میرے بارے میں پُوچھے
تو حیرت سے کہنا
" تعجب ہے اب تک کسی ایسی لڑکی سے ملنا نہ ہو گیا میں تو یہ نام ہی
آج پہلے پہل آپ سے سن رہا ہوں ——— !"

(سیپ)

○

رُکنا باد | امین راحت چغتائی

سرِشام پھر باغ میں آگیا ہوں،
اُسی مخزنِ رنگ و بو کی لگن میں
کہ جس نے کبھی رُوح کو تازگی، کیف و مستی کی دولت عطا کی
فضا کو دلآویزیٔ جاوداں دی،
نگاہوں کو حسنِ طلب کے نئے زاویئے، دل کو تہذیبِ جذبات دے کر
روایات سے پیار کرنا سکھایا،

○

یہاں کاسنی، اودے اودے، گلابی، شہابی
سبھی پھول ہیں
سبزہ زاروں میں جائیں تو بیلے کی خوشبو
فراواں، فراواں،
کہیں موتیے اور چنبیلی کی مہکار راحت بداماں
گلابوں کے تختوں ہیں ہر دیدہ و دل کی تسکین کا ساماں،
یہاں ڈھاک ہے،
جس کے پھولوں سے مغلوں نے اپنی تصاویر کے رنگ اُبھارے
اُسی ڈھاک کے رنگ کی دلکشی سے
بساون[1] نے، دسونت[2] نے مغلِ اعظم کے دربار میں داد پائی،

---

[1] اور [2] شہنشاہ اکبر کے دو ممتاز مصوّر۔

یہاں ایک بوڑھا شجر بھی ہے
جو ذلیست کے خارداروں سے تنگ آ کے گوتم بنا
گیان میں محو ہے،

○

—— اور یہ سب روایاتِ ماضی ہیں
ان کا بھلا عہدِ حاضر سے کوئی تعلق ؟
یہاں تو ہری گھاس پر ٹکڑیوں میں بٹے لوگ بیٹھے
سُبک گام بادِ معطر کے جھونکوں سے فرحاں و شاداں
ہجومِ گل و رنگ پر تبصرے کر رہے ہیں،

○

میں کب سے کھڑا ہوں !
سماعت کی اس تشنگی کو بجھاؤں تو کیسے !!
میں وہ قہقہے ڈھونڈتا ہوں
جو گونجیں تو ایسا گماں ہو
کہ جیسے سرِ شام دلّی کے باغوں میں بجتے کٹورے،

(فنون)

○

خوابِ فراموش | انجم اعظمی

دل کی دھڑکن سے عیاں، ذہن کے پردوں میں نہاں
دھندلا دھندلا سا وہ اک عکس ترے چہرے کا
ایک مدّت ہوئی دیکھا تھا تجھے
خال و خط یاد نہ آئے مجھ کو
صبحدم جیسے کوئی سوچ رہا ہو بیٹھا
رات کیا خواب نظر آیا تھا
اور اک عمر گذر جانے پر
دفعتاً میری تمنّا کی طرح
آئینہ خانۂ تصویر میں آج
جل اٹھیں تیرے خط و خال کی شمعیں ساری
اور وہی رات کا بھولا ہوا خواب
تیری آنکھوں، ترے عارض، ترے لب کی صورت
صبحدم دیکھ رہا ہے کوئی

(سیپ)

○

اِنتظار | انور فرہاد

رات آئی تو دلِ زار نے سوچا اکثر
کون آنکھوں میں سمٹ آئے گا آنسو بن کر
کس کی زلفوں کے دریچے سے کرن پھوٹے گی
کب یہ زنجیرِ گراں ٹوٹے گی
جانے کب اس شبِ تنہائی سے جاں چھوٹے گی

آج کی رات بھی شاید نہ مجھے نیند آئے
کس کی آہٹ ہے کہ بڑھنے لگی دل کی دھڑکن
کون ہمدرد ہے تنہائی کے ویرانے میں
کون محبوب ہے اس شب کے سیہ خانے میں
کس کا پیکر ہے تصوّر کے صنم خانے میں
جانِ جاں تم ہو کہ احساس کا بہلاوا ہے
نرم جھونکا ہے کہ آہٹ ہے کہ خاموشی ہے
ہاں وہی حسرت و مایوسی ہے

(سیپ)

ایک نظم | بلراج کومل

ابھی غیر دلچسپ ہو جائیں گے ہم
ابھی تم کہو گے
کہ بیکار ہے گفتگو کا بہانہ
ابھی میں کہوں گا
کہ بیکار ہے کارو بارِ زمانہ

ابھی تم زباں پر
سلگتی ہوئی ریت کا ذائقہ چند لمحوں میں محسوس کرنے لگو گے
ابھی میں زباں پر
کوئی خوبصورت فرشتہ صفت نام تنہائیوں میں نہیں لا سکوں گا
ابھی ذہن بیمار ہو جائیں گے سب
ابھی خواب لاچار ہو جائیں گے سب
فلک تک پہنچتے ہوئے ہاتھ بیکار ہو جائیں گے سب

بھلے یا بُرے ہم ابھی ہیں سلامت
ابھی ٹوٹنے کو ہے لیکن قیامت
اگر مرگِ احساس کی آرزو آخری قدر ٹھہری
ابھی ایک بے جان ماضی کے صحرا میں کھو جائیں گے ہم
ابھی غیر دلچسپ ہو جائیں گے ہم
(اوراق)

ذاتیات | خلیل الرحمن اعظمی

جو مجھ پہ بیتی ہے
اس کی تفصیل میں کسی سے نہ کہہ سکوں گا
جو دُکھ اٹھائے ہیں
جن گناہوں کا بوجھ سینے میں لے کے پھرتا ہوں
ان کو کہنے کا مجھ میں یارا نہیں ہے
میں دوسروں کی لکھی ہوئی کتابوں میں
داستاں اپنی ڈھونڈتا ہوں
جہاں جہاں سرگذشت میری ہے
ایسی سطروں کو میں مٹاتا ہوں
روشنائی سے کاٹ دیتا ہوں
مجھ کو لگتا ہے لوگ ان کو اگر پڑھیں گے
تو راہ چلتے میں ٹوک کر مجھ سے جانے کیا پوچھنے لگیں گے

(نقوش)

○

میں اور وہ دوسرا آدمی | راہی معصوم رضا

جاؤ جاؤ، مجھے نیند آئی ہے، سونے دو مجھے
دن گذر جاتا ہے لفظوں کا تعاقب کرتے
اور جب رات کو تھک ہار کے گر پڑتا ہوں
تم چلے آتے ہو اخبار لئے ......
تم کو اب یاد نہیں
کل کے اخبار میں بھی تھیں، یہی ساری خبریں
بلکہ پرسوں سے یہی خبریں دھڑا دھڑ ہر اک اخبار میں چھپتی ہیں
پڑھی جاتی ہیں !

کل کی خبریں بھی لگے ہاتھ سنا ڈالو ابھی !
پھر کہاں جا کے مرو تم بھی، مجھے سونے دو
صبح کو پھر مجھے لفظوں کے تعاقب میں نکلنا ہوگا

(شبخون)

○

لفظوں کا سلسلہ | زاہد ڈار

تاروں کی روشنی میں
چمکے ہوئے ہیں ذرّے
اور چل رہی ہیں ٹھنڈی
فردوس کی ہوائیں
اب آؤ مل کے گائیں
لذّت بھرے ترانے
صحرا کی وسعتوں میں
آواز بن کے پھیلیں
اور آسماں کو چھولیں
ہم خوب خوب بہکیں
اور خوب خوب گائیں
اور خوب خوب ناچیں
تاروں کی روشنی میں
صحرا کی وسعتوں میں
دریا کی تیز لہریں
پیڑوں کی نرم چھاؤں
اور ہم ہیں، اور تم ہو

اور ریت کے ہیں ذرّے
چمکتے ہوئے ستارے
اور روشنی کی وسعت
اور آسماں کی رفعت
اور ہم ہیں، اور تم ہو
لیکن ذرا یہ سوچو
کمرے میں یہ دھواں سا
کیسا ہے؟ اور کیوں ہے؟
لوہا پگھل رہا ہے
پتھّر پگھل رہے ہیں
موسم بدل چکا ہے
اب گرمیوں کے دن ہیں
اب آسماں پہ سورج
دھرتی کے باسیوں پر
نیزے گرا رہا ہے
شعلوں کے سُرخ نیزے
یہ آگ، یہ اُجالا

یہ موسموں کا چکّر
اور آسماں کی گردش
اک وقت جا رہا ہے
اک وقت آ رہا ہے
دیوار پر یہ پیلی
تصویر کس نے کھینچی
کس نے بنا دیا ہے
دیوار پر اُداسی
اور دُکھ کا زرد چہرہ
یہ کون آدمی ہے
جو عورتوں سے ڈر کر
کمرے میں چھُپ گیا ہے
اور سانپ بن گیا ہے
اور کون سا پرندہ
کھڑکی کے پاس بیٹھا
آنسو بہا رہا ہے
آنکھیں پگھل رہی ہیں
رستے اُلجھ گئے ہیں
اور لوگ اس زمیں پر
گمراہ پھر رہے ہیں

ہم راستوں میں گم ہیں
اور گھر کو بادلوں نے
گھیرا ہوا ہے سُورج
تاریک ہو چکا ہے
موسم بدل چکا ہے
اب جھٹپٹا ہے، آندھی
کمرے میں چل رہی ہے
کمرہ لرز رہا ہے
بادل گرج رہا ہے
بجلی چمک رہی ہے
اور خون بہہ رہا ہے
گلیوں میں پھر رہی ہے
عورت، مگر محبّت
بدنام ہو نہ جائے
دیکھو کہیں یہ عورت
ناکام ہو نہ جائے
آواز آ رہی ہے
دھرتی پُکارتی ہے
جنگل بُلا رہا ہے
جنگل میں ایک مندر

مندر میں ایک لڑکی
لڑکی کے دِل میں کیا ہے ؟
آہوں کا سلسلہ ہے
جو میرے دل سے اس کے
دل تک چلا گیا ہے
اور چاند ڈوبتا ہے
کھیتوں کے درمیاں اِک
آتش فشاں کھڑا ہے
اور پار، دُور پربت
اُونچے سیاہ پربت
کالے بلند پربت
بھُوتوں کا رُوپ دھارے
ٹھہرے ہوئے ہیں ساکت
لیکن یہ کیسا دل ہے
آتش فشاں کی صورت
شعلوں سے بھر رہا ہے
لڑکی کے دل میں کیا ہے ؟
معلوم ہو نہ جائے
نظریں جھکائے بیٹھی
تکتی ہے اپنے اندر

اور چاند ڈوبتا ہے
کب تک چھپے گا کوئی
کب تک جئے گا کوئی
آخر گرے گا اک دن
کوئی پہاڑ اس کے
سر پہ جو گھر کے اندر
چھپ کر جیا کرے ہے
اور سانپ بن گیا ہے
لڑکی سے کون پُوچھے
کیا وہ بھی ڈر رہی ہے
یا اس کے دِل میں شاید
کوئی اور بس گیا ہے
آہوں کا سلسلہ ہے
آہوں کا سلسلہ ہے
اب رات چھا چکی ہے
اندھی، سیاہ، جامد
اور پھر ہوں میں اکیلا
اور پھر یہ تنگ کمرہ
جس کی سیاہیوں میں
دم گھٹ رہا ہے میرا

دل جل رہا ہے میرا
اور روح چیختی ہے
جنگل بلا رہا ہے
جنگل میں ایک مندر
مندر میں روشنی ہے
مندر میں شانتی ہے
بیمار آتما کو
جنگل بلا رہا ہے
تاروں کی روشنی میں
سورج لرز رہا ہے
اور چاند اونگھتا ہے
دیکھو کہیں محبت
ناکام ہو نہ جائے
دیکھو زمیں کا سینہ
ویران ہو نہ جائے
دیکھو کہیں وہ مندر
تاریک ہو نہ جائے
دیکھو کہیں وہ جنگل
خاموش ہو نہ جائے
دیکھو کہیں وہ لڑکی .....

لیکن کسے خبر ہے
لڑکی کے دل میں کیا ہے
یہ وقت کی سزا ہے
جو ہم کو مل رہی ہے
تاروں کی روشنی میں
چشمے اُبل رہے ہیں
کلیاں چٹک رہی ہیں
موسم بدل رہے ہیں
اور ہم ہیں اور تم ہو
تاروں کی روشنی میں
خود سے اُلجھ رہا ہوں
دیوانہ ہو گیا ہوں
کس کے لئے ہیں کلیاں
کس کے لئے ستارے
کس کے لئے پرندے
کس کے لئے ہے سورج
کس کے لئے زمیں ہے
میرے لئے نہیں ہے
میرے لئے نہیں ہے
کس کے لئے ہے یارو

اس کے بدن کی خوشبو
اس کے بدن کی گرمی
اس کے بدن کا نغمہ
میرے لئے نہیں ہے
میرے لئے ہے صحرا
میرے لئے اندھیرا
میرے لئے اداسی
میرے لئے غلامی
کس کے لئے ہے لذت
کس کے لئے محبت
میرے لئے نہیں ہے
کس کے لئے ہے یارو
اے نوجوان لڑکو
اور لڑکیو! بتاؤ
پرچھائیوں کے بس میں
کب تک رہیں گے ہم تم ؟
کب تک رہیں گے ظالم
بوڑھے ہمارے حاکم ؟
بولو! اُٹھو! بغاوت
پھیلاؤ اس زمیں پر
تم اپنے آپ مالک

تم اپنے آپ رہبر
تم اپنے آپ حافظ
اے نوجوان بہنو
اور بھائیو! بتاؤ
کب تک جلا کریں گے
یہ جسم اور رُوحیں
کب تک کریں گی ماتم ؟
پرچھائیاں اٹھا دو
تاریکیاں مٹا دو
اے آؤ مل کے گائیں
لذّت بھرے ترانے
صحرا کی وسعتوں میں
آواز بن کے پھیلیں
اور آسماں کو چھُو لیں
ہم خوب خوب بہکیں
اور خوب خوب گائیں
تاروں کی روشنی میں
تاروں کی روشنی میں
لفظوں کا سلسلہ ہے
لفظوں میں دیکھتا ہوں
اس راز کی حقیقت

جو روشنی میں کم ہے
جو 'میں' ہے اور 'تم' ہے
جو ابر ہے' ہوا ہے
جو جسم اور جاں ہے
جو روح اور مادہ
جو 'ایک' اور 'سب' ہے
وہ راز دیکھتا ہوں
لفظوں کی تیرگی میں
تاروں کی روشنی میں
اک خواب میں نے دیکھا
جنگل کے درمیاں ہم
ننگے کھڑے ہیں سارے
شرم و حیا کا پردہ
آنکھوں سے اُٹھ چکا ہے
اور چل رہی ہیں ٹھنڈی
فردوس کی ہوائیں
تاروں کی روشنی میں
بکھری ہوئی ہیں یادیں
نکھری ہوئی ہیں یادیں
لفظوں کا سلسلہ ہے
یادوں کا سلسلہ ہے

یہ زندگی ہماری
خوابوں کا سلسلہ ہے
اِک خواب میں نے دیکھا
مندر کی خوبصورت
دیوی کو میں نے اپنی
باہوں میں بھر لیا ہے
اور روشنی کی بارش
ہم پر برس رہی ہے
لیکن یہاں سے آگے
کچھ بھی نہیں اندھیرا
پھیلا ہوا ہے ہر سُو
اور تنگ و تار کمرہ
سنسان' سرد کمرہ
یادوں میں گونجتا ہے
نظروں میں گھومتا ہے
تنہائیوں کا صحرا
وہ تنگ و تار کمرہ
جس میں گذار دی ہے
جس میں گذر رہی ہے
یہ زندگی ہماری
جو زندگی سے کم ہے

تاروں کی روشنی میں
جنگل کی سب صدائیں
خاموش ہو چکی ہیں
اشکوں کے بادلوں نے
گھیرا ہوا ہے مجھ کو
ہو گی کہیں وہ لڑکی ؟
جس کے لئے میں اب تک
آنسو بہا رہا ہوں
یہ گیت لکھ رہا ہوں
جینا بُرا نہیں ہے
کتنا بھی دُکھ بھرا ہو
کتنا ہی بے مزہ ہو
یہ زندگی ہے اچھی
یہ زندگی ہے پیاری
یہ زندگی ہماری
جو زندگی سے کم ہے
تاروں کی روشنی میں
تاروں کی روشنی میں
دیکھو میں مر رہا ہوں
میں مر رہا ہوں یارو
کوئی مجھے پکارو

کوئی مجھے پکارو
آخر کہیں تو جا کر
رُکنا ہے آدمی کو
لیکن کہاں رُکے گا
یہ کارواں ہمارا
کس کے لئے رُکے گا
کس نے کیا تھا جاری
کس نے کیا تھا پیدا
سب کچھ جو ہے، نہیں ہے
جو کچھ نہیں نہیں ہے
لیکن کہاں ہے جو کچھ
موجود ہے نہیں ہے
کس سے ہوا تھا پیدا
یہ سلسلہ ہمارا
یہ کائنات ساری
یہ زندگی ہماری
کوئی مجھے بتاؤ
کوئی مجھے بتاؤ
میں تھک گیا ہوں یارو
اکتا گیا ہوں یارو
لفظوں کی تیرگی سے

تاروں کی روشنی سے
اب دیوتا کہاں ہیں
اب دیویاں کہاں ہیں
لیکن جو ٹھیک پوچھو
یارو، تو آسماں پر
کوئی خدا نہیں ہے
سارے خدا یہیں ہیں
ذہنوں میں اور دلوں میں
تیرا خدا جُدا ہے
اس کا خدا جُدا ہے
میرا خدا جُدا ہے
میرے لئے تو یارو
لڑکی کا خوبصورت
ننگا بدن خدا ہے
تاروں کی روشنی میں
تاروں کی روشنی میں
دانشوروں کے مُنہ سے
میں نے ابھی سنا ہے
ایٹم کی روشنی میں
نروان آنند مکتی
اور شانتی ملے گی

یعنی وہ نیند جس سے
پھر جاگنا نہیں ہے
تاروں کی روشنی میں
تاروں کی روشنی میں
لو سو گئی محبّت
لو جاگتی ہے فطرت
سونی پڑی ہیں راہیں
انسان مر چکا ہے
ایسے میں کوئی آئے
اور مجھ کو یہ بتائے
میں کون ہوں، کہاں ہوں
اور کس لئے ہوں باقی
تاروں کی روشنی میں
تاروں کی روشنی میں
مہمل ہیں ساری باتیں
سب گیت اور نظمیں
سب فلسفے، کتابیں
لفظوں کے سلسلے ہیں
لفظوں کے سلسلے ہیں

(سویرا)

خارجی شکست | زبیر رضوی

مجھے آج پھر تم سے مل کر بڑی ناامیدی ہوئی ہے
وہی طرزِ گفتار، چہرے پہ گہری اداسی کا عالم
زمانے کی بیداد، حالات کی کج ادائی کا شکوہ
تگ و تاز، تقدیر کی نارسائی کا ماتم
تہی دامنی پر پشیمان ہونے کی معصوم کوشش
جواں خوبصورت مہکتے ہوئے روز و شب کا تصور
نشاط آفریں محفلوں میں کبھی باریابی کا ارماں
گلابوں کی مانند کھلتے ہوئے جسم چھونے کی خواہش

مجھے کب سے حسرت ہے اک شب کبھی تم
مری محفلِ ناز میں یوں بھی آتے
مجھے جسم و جاں کی سبھی راحتیں سونپ دینے میں کوئی
تکلف نہ ہوتا

○

اے شریف انسانو! | ساحر لدھیانوی

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے
ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
آگ اور خون آج بخشے گی
اس لئے اے شریف انسانو!
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں

نسلِ آدم کا خون ہے آخر
امنِ عالم کا خون ہے آخر
رُوحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

(شاعر)

گفتگو | سردار جعفری

گفتگو بند نہ ہو
بات سے بات چلے
صبح تک شام ملاقات چلے
ہم پہ ہنستی ہوئی یہ تاروں بھری رات چلے

ہوں، جو الفاظ کے ہاتھوں میں ہیں سنگِ دشنام
طنز چھلکائے، تو چھلکایا کرے زہر کے جام
تیکھی نظریں ہوں، ترش ابروئے خمدار رہیں
بن پڑے جیسے بھی، دل سینوں میں بیدار رہیں
بےبسی حرف کو زنجیر بہ پا کر نہ سکے
کوئی قاتل ہو مگر قتلِ نوا کر نہ سکے
صبح تک ڈھل کے کوئی حرفِ وفا آئے گا
عشق آئے گا بصد لغزشِ پا آئے گا
نظریں جھک جائیںگی، دل دھڑکیں گے لب کانپیںگے
خامشی بوسۂ لب بن کے مہک جائے گی
صرف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آئے گی
اور پھر حرف و نوا کی نہ ضرورت ہوگی
چشم و ابرو کے اشاروں میں محبّت ہوگی

نفرت اٹھ جائے گی، مہمان مروت ہوگی

ہاتھ میں ہاتھ لئے، سارا جہاں ساتھ لئے
تحفۂ درد لئے، پیار کی سوغات لئے
ریگ زاروں سے عداوت کے گذر جائینگے
خون کے دریاؤں سے ہم پار اُتر جائینگے

گفتگو بند نہ ہو
بات سے بات چلے
صبح تک شامِ ملاقات چلے
ہم پر ہنستی ہوئی یہ تاروں بھری رات چلے

(بلٹز)

○

خزانے کا سانپ | سردار نقوی

میری ماں نے مجھے بتایا ہے
اگلے وقتوں کے صاحبانِ دول
جو خداوند کی مشیت سے
عمر بھر لاولد رہا کرتے
یہ عجب کارِ خیر فرماتے
اپنی دولت کو ایک برتن میں
بند کر کے کہیں دبا دیتے
اس پہ آٹے یا چکنی مٹی کا
سانپ ضامن بنا کے رکھ دیتے
تاکہ آئندہ کوئی شخص اگر
ان کی دولت کی سمت آنکھ اٹھائے
یہ خزانے کا سانپ لہرا کر
اس کی اولاد بھینٹ میں چاہے
لوگ اولاد بھینٹ دیتے تھے
اور یہ مال کھود لیتے تھے

میری ماں نے مجھے بتایا ہے
میرے ناپختہ گھر کے آنگن میں

ایسا ہی مال دفن تھا شاید
اور یہ مال یونہی دفن رہا
یا کسی اور گھر میں جا پہنچا
میری ماں نے مجھے نہ کھلنے دیا
اور وہ مال ہاتھ سے کھویا
میری ماں بھی عجیب عورت ہے

اپنی ماں سے یہ واقعہ سُن کر
پہلے مجھ کو یقیں نہ آتا تھا
میں نے افسانہ اس کو سمجھا تھا
پر یہ افسانہ اک حقیقت تھا

پر یہ افسانہ اک حقیقت ہے
میں نے شاداب کھیتیاں دیکھیں
میں نے محل دیکھے بنک بھی دیکھے
میں نے دیکھا کہ مال و دولت کے
ہر خزانے پہ ہر جگہ ہر پل
اِک نہ اِک سانپ بیٹھا رہتا ہے

(منشور)

○

اندھی باہیں | شا بھائی

میں جس نگری کا باسی ہوں
اس میں رُت کے کالے سائے
جیون کا رس چوس رہے ہیں
مورکھ بھولی بھالی جانیں
کچھ نہ جانیں
اپنا سب کچھ سمسک کر دے دیتی ہیں
جھک جاتی ہیں لُٹ جاتی ہیں
اگر کبھی کچھ جیالی شکلیں اجلی اجلی چاہت لے کر
تن جاتی ہیں
تو پھر ان کی اپنی ہی نسلوں کی اندھی
باہیں باڑھیں بن جاتی ہیں !

(منشور)

○

گناہوں کی ندی | شاد امرتسری

آبنوسی رنگ تیکھے خال و خط
جسم کے اندر کہیں پوشیدہ رُوحِ بے سکوں
رُوح سے لپٹی ہوئی آلودگی
آبنوسی رنگ اب تک یاد ہے

سنگِ اسود کی چٹانوں کے قریں
ریشم و اطلس کی ڈھلوانوں کے خم کے وسط میں
مخملیں کیفیتوں کی لہلہاتی جوئے بار
تیز اور بدمست آنکھوں میں گنہ کی چاشنی
جیسے کوئی دیو داسی خواہشوں کی راہ میں
دیوتاؤں کے بھجن کو تیاگ کر
مندروں کے پروہتوں سے بھاگ کر
اک منش کے جسم کی چاہت کرے، کرتی رہے
اور گناہوں کی ندی بہتی رہے

آبنوسی رنگ اب تک یاد ہے

(نقوش)

○

پھر وہی رات | شاہد عشقی

پھر وہی رات ہے ویرانیٔ دل ہے، میں ہوں

تم نہ مل کر جو بچھڑتیں تو بہت آسان تھا
زیست کے اجنبی رستوں سے گذرنا میرا
تم نے بدلا جو نہ ہوتا مرا معیارِ نظر
کوئی مشکل نہ تھا دنیا میں بہلنا میرا

اپنی تنہائی کا درد آج کہاں سے لاؤں
کس سے فریاد کروں؟ کس سے مداوا چاہوں
بھول تک بھی نہ سکوں جس کو بھلانا چاہوں
اے مری وحشتِ دل تو ہی بتا کیا چاہوں

رنگِ رخسار، گل و لالہ میں کب تک ڈھونڈوں
لب سمجھ کر ترے، شعلوں کو کہاں تک چوموں
مرمریں جسم کے احساس میں کھویا کھویا
چاندنی راتوں میں بے وجہ کہاں تک گھوموں

تیرے انفاس کی خوشبو سے معطّر ہے جو دل

نکہتِ لالہ و گُل سے وہ کہاں بہلے گا
جس نے کل تک ترے کھلتے ہوئے لب دیکھے تھے
آج کلیوں کے چٹکنے کو کہاں سمجھے گا

ایک کوندا سا تو لپکا تھا مری آنکھوں میں
پھر اندھیرے کے سوا کچھ نظر آیا نہ مجھے
اک ستارہ سا تو ٹوٹا تھا مری راتوں میں
معجـــزہ پھر کوئی آنکھوں نے دکھایا نہ مجھے

پھر وہی رات ہے، ویرانیٔ دِل ہے، میں ہوں

(الشجاع)

○

مستقبل | شمیم حنفی

مستقبل اک بچّہ ہے
حال کی گود تک آتے آتے
رخساروں پر اس کے سبزے کی چادر چھا جاتی ہے
پھر کروٹ لیتی ہے خزاں کی زہر میں ڈوبی کالی تیز نگاہ
رُخ پہ طمانچے لگتے ہیں
درد کے صحرا میں اک لڑکا جو کل تک اک بچّہ تھا
سہما سہما رُک رُک کر آگے بڑھتا جاتا ہے
اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے
دل کے دروازوں پر آ کر خواب کی پریاں ہنستی ہیں
اور یہ لڑکا
ان پریوں کے لالچ میں ہنس ہنس کر آگے بڑھتا ہے
وقت کے رتھ پر دونوں یونہی آگے پیچھے بھاگتے ہیں
آگے پیچھے
جانے کب تک
اور آخر وہ منزل بھی آ جاتی ہے
جب یہ الہڑ سا لڑکا جو کل تک اک معصوم سا ننّھا سا بچّہ تھا
شانے پر خوابوں کی لاش اٹھائے
دل میں اپنے زخمِ تمنّا کا نشتر اور درد چھپائے

سینے میں آتی جاتی سانسوں کا طوفان لئے
آنکھوں میں اِک پیاس لئے
تھکا تھکا سا
گر پڑتا ہے ستانے کو
گود میں اپنے ماضی کی
اور جب اٹھتا ہے تو دُنیا اس کو بوڑھا کہتی ہے!

(منشور)

O

کھڑکیاں بند کر دو | شمیم نوید

کون جانے تیرگی کتنی گذرگاہوں کے بعد
آج ایسے شہر میں داخل ہوئی
جس میں روشن رات کے اونچے شجر
اپنے سائے سے گریزاں ہو گئے
اور میری بے صدا آنکھیں یہ سب کچھ دیکھ کر خاموش ہیں
کون جانے سوہنی کے گیت کیوں بے جان ہیں
چاندنی کیوں بجھ گئی
دستکیں کیوں رک گئیں
آہٹیں کیوں سو گئیں
آج سے پہلے کبھی یہ شہر پتھر تو نہ تھا
یہ شہر پتھر تو نہ تھا
سائرن پھر بج رہا ہے
جنگ کا عفریت پھر سونی سڑک پر رقص کرتا آئے گا
چاند بھی شاید کہیں چھپ جائے گا
چاند بھی شاید کہیں چھپ جائے گا

(سیپ)

○

سُورج کا شہر | شہاب جعفری

"نہیں —! یہ سورج کے شہر کا آدمی نہیں ہے،
کہ یہ تو مرنے کے بعد فٹ پاتھ پر پڑا ہے،
یہ لاش ہم سب کی طرح سورج کے ساتھ گردش میں کیوں نہیں ہے!!
پڑھو تو اس ڈائری میں کیا ہے"

نُچے کھُچے اِک ورق پہ کچھ یُوں لکھا ہوا تھا:۔

"میں اپنی دنیائے فکر و فن تج کے آج بن باس میں پڑا ہوں
ضرورتوں میں گھرا ہوا ہوں
یہاں تو دو اور دو کا حاصل ہمیشہ ہی چار ہاتھ آیا — کہ پانچ ناممکنات میں ہے
عظیم فنکار کا قلم ہو کہ کارخانے —! کسی کو تخلیقِ حسن کی آرزو نہیں ہے
مقدس آگ ان کے دل کی یوں پیٹ کے جہنم میں جل رہی ہے۔
کہ زندگی کی جو قوتیں ہیں وہ صرف زندہ ہی رہنے میں صرف ہو رہی ہیں
مشین کی طرح ذہن بھی کام کر رہے ہیں
رگوں میں جیتے لہو کے بدلے رقیق لوہا بھرا ہوا ہے
مشین کی طرح پانو چلتے ہیں
آدمی کا جلال گردش میں سرنگوں ہے
ارادہ و اختیار ایک اضطرابِ سنگیں ہے جس سے بچ کر
کوئی نہیں دو گھڑی کسی سے جو بے غرض رک کے بات کر لے

(کسے خبر — ؟ آدمی کے دو میٹھے بول کو میں ترس رہا ہوں !) "

یہاں پہ تحریر آنسوؤں سے مٹی ہوئی تھی —— اور اس سے آگے :-

" یہ شہر سُورج کا شہر ہے اس کے روز و شب کا پتہ نہیں کچھ
نہ آج تک وقت اور تاریخ کا مجھے علم ہو سکا ہے
کہ میرے احساس میں کوئی آج ہے نہ کل !
اور یہ رات ہے یا سیاہ سورج ! ؟
غروب ہو کر بھی آسمان و زمیں سے پیہم گذر رہا ہے !!
بس اس جہاں میں —— سیاہ و روشن —— ہمیشہ دن ہے
ہمیشہ سورج ہی اپنے سر پر کھڑا ہوا ہے
یہ کائنات ایک شکستہ گاڑی ہے ایک پہیئے پہ چل رہی ہے
(زمین کا چاند کیا خبر کس اندھیرے پاتال میں گرا ہو !)
ہر ایک شے بھاگتی ہوئی ایک دوسرے کی تلاش میں گُم
بس اک تصادم !
ہر ایک شخص ایک دوڑتی لاش ہے — کہ اک دوسرے سے دہشت زدہ گریزاں
سب اپنا سُورج سے منہ چھپائے ، تلاش میں وقت کی ہراساں
کسی کو اتنی بھی شام ملتی نہیں — کہ تھوڑا اداس ہو لیں "

یہاں پہ جملے عجیب سے تھے — لہُو کے دھبّوں سے مٹ گئے تھے !

(شاعر)

کٹہرے میں | ظہور نظر

بوئے گُل، روشنی
رنگ، نغمہ، صبا
ہر حسیں چیز ہے
میرے جذبات کے قتل سے آشنا
صرف تم کو نہیں
علم اس قتل کا !!

میرا دل —— کہ
میرا محبوب، معصوم دل
اوڑھ کر دائمی دوریوں کا کفن
درد کے بے اماں دشت میں دفن ہے
آج بھی میری ہر مضطرب سانس ہے
اس پہ نوحہ کناں !

آج بھی یاد ہے
مجھ کو اس گرم دوپہر کا سانحہ
جب تمہاری محبت کے چھتنار سے
میرا دل، میرا محبوب، معصوم دل

ایک پیاسے پرندے کی صورت گرا
اور میری طرف اک نظر دیکھ کر
اس طرح مر گیا
جیسے اس قتل، اس مرگِ ناگاہ میں
میرا بھی ہاتھ تھا!

صرف تم کو نہیں
علم اس قتل کا!
بوئے گل، روشنی، رنگ، نغمہ، صبا
ہر حسیں چیز ہے
میرے جذبات کے قتل سے آشنا!!

(نقوش)

○

تعارف | فارغ بخاری

وہ زندگی کا عجیب و غریب موسم تھا
بہاریں ٹوٹ پڑی تھیں سہانے جسموں پر
نفس نفس میں فسوں تھا، نظر نظر میں جنوں
تصورِ مئے عصیاں سے چور چور بدن
نجوم فکر و نظر ٹمٹما کے ڈوب گئے

خمار ذہنوں پہ چھایا تو جسم جاگ اٹھے
اندھیرا گہرا ہوا، کائنات بہری ہوئی
ابھر کے سایوں نے اک دوسرے کو پہچانا

(سیپ)

○

یہاں سے شہر کو دیکھو..... | فیض احمد فیضؔ

یہاں سے شہر کو دیکھو تو حلقہ در حلقہ
کھنچی ہے جیل کی صورت ہر ایک سمت فصیل
ہر ایک رہگزر گردشِ اسیراں ہے
نہ سنگِ میل، نہ منزل، نہ مخلصی کی سبیل

جو کوئی تیز چلے رہ، تو پوچھتا ہے خیال
کہ ٹوکنے کوئی للکار کیوں نہیں آئی
جو کوئی ہاتھ ہلائے تو وہم کو ہے سوال
کوئی چھنک، کوئی جھنکار کیوں نہیں آئی

یہاں سے شہر کو دیکھو تو ساری خلقت ہیں
نہ کوئی صاحبِ تمکیں، نہ کوئی والئی ہوش
ہر ایک مردِ جواں مجرمِ رسن بہ گلو
ہر اک حسینۂ رعنا کنیزِ حلقہ بگوش

جو سائے دور چراغوں کے گرد لرزاں ہیں
نہ جانے محفلِ غم ہے کہ بزمِ جام و سبو
جو رنگ ہر در و دیوار پر پریشاں ہیں
یہاں سے کچھ نہیں کھلتا، یہ پھول ہیں کہ لہو

(نا تمام ـــــ نقوش)

○

آنکھیں، اُنگلیاں اور دِل | کیلاش ماہر

راکھ ہی راکھ ہے اس ڈھیر میں کیا رکھا ہے
کھوکھلی آنکھیں —— جہاں بہتا رہا آبِ حیات
کب سے اک غار کی مانند پڑی ہیں ویراں
قبر میں سانپ کا بِل جھانک رہا ہو جیسے
راکھ ہی راکھ ہے !

اُنگلیاں —— صدیوں کو لمحوں میں بدلنے والی
اُنگلیاں —— شعر تھیں، نغمہ تھیں، ترنم تھیں کبھی
اُنگلیاں جن میں تیرے لمس کا جادو تھا کبھی
اب تو بس سُوکھی ہوئی ناگ پھنی ہوں جیسے !
راکھ ہی راکھ ہے !

دِل ——کہ تھا ناچتی، گاتی ہوئی پریوں کا جہاں
ان گنت یادوں کا، ارمانوں کا اک شیش محل
تیری تصویر دریچوں پہ کھڑی ہنستی تھی
اب تو پگھلے ہوئے لاوے کے سوا کچھ بھی نہیں
راکھ کے جلتے ہوئے ڈھیر میں کیا پاؤ گے
شہر سے دُور شمشان کہاں جاؤ گے

(سیپ)

نذرانہ | کیفی اعظمی

تم پریشان نہ ہو بابِ کرم وا نہ کرو
اور کچھ دیر پکاروں گا چلا جاؤں گا
اسی کوچے میں جہاں چاند اُگا کرتے ہیں
شبِ تاریک گزاروں گا چلا جاؤں گا

راستہ بھول گیا یا یہی منزل ہے مری
کوئی لایا ہے کہ خود آیا ہوں معلوم نہیں
کہتے ہیں حُسن کی نظریں بھی حسیں ہوتی ہیں
میں بھی کچھ لایا ہوں، کیا لایا ہوں معلوم نہیں

یُوں تو جو کچھ تھا مِرے پاس میں سب بیچ آیا
کہیں اِنعام ملا اور کہیں قیمت بھی نہیں
کچھ تمہارے لئے آنکھوں میں چھپا رکھا ہے
دیکھ لو اور نہ دیکھو تو شکایت بھی نہیں

ایک تو اتنی حسیں دوسرے یہ آرائش
جو نظر پڑتی ہے چہرے پہ ٹھہر جاتی ہے
مُسکرا دیتی ہو مُنہ پھیر کے جب محفل میں
ایک دھنک ٹوٹ کے سینوں میں بکھر جاتی ہے

گرم بوسوں سے تراشا ہوا نازک پیکر
جس کی اِک آنچ سے ہر رُوح پگھل جاتی ہے
میں نے سوچا ہے تو سب سوچتے ہوں گے شاید
پیاس اس طرح بھی کیا سانچے میں ڈھل جاتی ہے

کیا کمی ہے جو کرو گی مرا نذرانہ قبول
چاہنے والے بہت چاہ کے افسانے بہت
ایک ہی رات سہی گرمیٔ ہنگامہ عشق
ایک ہی رات میں جل مرتے ہیں پروانے بہت

پھر بھی اِک رات میں سو طرح کے موڑ آتے ہیں
کاش تم کو کبھی تنہائی کا احساس نہ ہو
ٹھیک سمجھی ہو، گیا بھی تو کہاں جاؤں گا
یاد کر لینا مجھے کوئی بھی جب پاس نہ ہو

آج کی رات بہت گرم، بہت گرم سہی
رات اکیلے ہی گزاروں گا، چلا جاؤں گا
تم پریشان نہ ہو بابِ کرم وا نہ کرو
اور کچھ دیر پکاروں گا، چلا جاؤں گا

(پلونم)

ایک شبیہہ | مجید امجد

کچھ دنوں سے، قریبِ دل ہے وہ دن
جب — اچانک، اسی جگہ — اک شکل
میری آنکھوں میں مسکرائی — تھی

ایک پل کے لئے تو — ایک وہ شکل
جانے کیا کچھ تھی — جھوٹ بھی — سچ بھی
شاید اِک بھول! — شاید اک پہچان

کچھ دنوں سے تو، جان بوجھ کے، اب
یہ سمجھنے لگا ہوں، میں ہی تو ہوں
جس کی خاطر یہ عکس اُبھرا ہے
کچھ دنوں سے تو، اب میں دانستہ
اس گماں کا فریب کھاتا ہوں

روز، اک شکل، اس دوراہے پر
اب مرا انتظار کرتی ہے
ایک دیوار سے لگی، ہر صبح
ٹکٹکی باندھے — نیم رُخ — یکسُو
اب مرا اِنتظار کرتی ہے
میں گذرتا ہوں — مجھ کو دیکھتی ہے

میں نہیں دیکھتا ——— وہ دیکھتی ہے!
اس کے چہرے کی ساخت، ساعت دیدہ!
زرد ہونٹوں کی پتریاں، پیتل!
سُرخ آنکھوں کی ٹکڑیاں قرمز!
روغنی دھوپ میں، دھنستے ہوئے پاؤں
منتظر منتظر ——— اُداس، اُداس

اِک یہی چہرہ، ایک پَل کے لئے
جانے کیا کچھ تھا ——— لیکن اب تو مجھے
اپنی یہ بھُول بھُولتی ہی نہیں
ایک دن یہ شبیہہ دیکھی تھی
کچھ دِنوں سے قریبِ دِل ہے وہ دن
کچھ دِنوں سے تو، بیتتے ہوئے دن
اسی اِک دن میں ڈھلتے جاتے ہیں
دن گذرتے ہیں اب تو یوں جیسے
عمر اسی دن کا ایک حصّہ ہے!
عمر گذری ——— یہ دن نہیں گذرا
جس طرف جاؤں ——— جس طرف دیکھوں
مجھ سے اوجھل بھی ——— مرے سامنے بھی
شکل اِک ——— ٹین کے ورق پہ رہی
شکل اِک دل کے چوکھٹے میں رہی! (سیپ)

رات | محمد سلیم الرحمٰن

مجھ کو باہر جانے دو، دروازہ کھولو
رات اندھیری ہے لیکن امید کا تارہ روشن ہے
رات ہی رستہ ہے

ہلکا کہرا یا رخساروں پر ٹھنڈ کے ہاتھ
ہوا شمال سے چلتی ہے
بے دردی سے خیر باد!

اِک آواز ہے گردش کی: جاؤ،
مل جاؤ سایوں میں، مٹی کی دوری میں
ہوا کی بے نوری میں

نیند بھری دنیا کے کونے کونے میں
بجھتی ہوئی، گمنامی میں، شمع کی طرح
رات کے رستوں پر چلنا

رات گئے مٹی بھی سو جانے کو ہے
مجھ میں بھی آنکھیں ملتی یادیں بھاری

آواز میں باتیں کرتی ہیں

مجھ میں نور کہاں، میں تو
رات کو اک صابر تارے کی طرف کھلنے والا
ٹھنڈی سانس کا دروازہ ....

(سویرا)

○

ناشناس | مصطفےٰ زیدی

کتنے لہجوں کی کٹاریں مری گردن پہ چلیں
کتنے الفاظ کا سیسہ مرے کانوں میں گھلا
جس میں اک سمت دھندلکا تھا اور اک سمت غبار
اس ترازو پہ مرے درد کا سامان تلا
کم نگاہی نے بصیرت پہ اٹھائے تیزے
وہم کی نہر میں پیراہنِ افکار دُھلا
قحط ایسا تھا کہ برپا نہ ہوئی مجلسِ عشق
حبس ایسا تھا کہ تحقیق کا پرچم نہ کھُلا

کون سے دیس میں رہتے ہیں وہ مونس جن کی
روز اِک بات سناتے تھے سنانے والے
ٹھوکروں میں ہے متاعِ دلِ ویراں کب سے
کیا ہوئے غم کو سر آنکھوں پہ بٹھانے والے
رات سنسان ہے بے نور ستارے مدھم
کیا ہوئے راہ میں پلکوں کو بچھانے والے
اب تو وہ دن بھی نہیں ہیں کہ مرے نام کے ساتھ
آپ کا نام بتاتے تھے زمانے والے

(سیپ)

○

آواگون | نثار ناسک

عیسیٔ اشک نے چمکائی ہے پلکوں کی صلیب
پیار نے درد کی انجیل کو دہرایا ہے
پھر کسی یاد کا جلتا ہوا پاگل جھونکا
میرے سوکھے ہوئے ہونٹوں کے قریب آیا ہے

آج پھر آنکھ کی بدنام گذر گاہوں پر
رک گیا ہے کوئی چلتے ہوئے جلوؤں کا سراب
آنکھ اب خواب کی جنبش بھی نہیں سہہ سکتی
اب کوئی وجہ تکلف نہ کوئی رسم حجاب

دل کہ اک کانچ کی چوڑی سے بھی نازک ٹھہرا
کس طرح اتنی بڑی چوٹ کو سہہ سکتا ہے
جو کبھی عرشِ محبت سے نہ نیچے اترا
کس طرح موت کے تہہ خانے میں رہ سکتا ہے

یہ اندھیرا، یہ پگھلتا ہوا شب رنگ سکوت
میرے احساس کی ہر موج میں ڈھل جانے دے

آخری سانس کی تلوار بھی چل جانے دے
مجھ کو اس حرص کی بستی سے نکل جانے دے

وہی سنگم، وہی تقدیر کا پہلا سنگم!
تم جہاں مجھ سے ملے تھے، میں وہیں جاؤں گا
یہ جدائی تو فقط سانس کا ایک وقفہ ہے
میرے محبوب نہ گھبراؤ، میں پھر آؤں گا

(سیدیب)

○

کچّی دیواریں | نِدا فاضلی

میری ماں ہر دن اپنے بوڑھے ہاتھوں سے
اِدھر اُدھر سے مٹی لا کر
گھر کی کچی دیواروں کے زخموں کو
بھرتی رہتی ہے
تیز ہواؤں کے جھونکوں سے
بیچاری کتنا ڈرتی ہے

میری ماں کتنی بھولی ہے
برسوں کی سیلی دیواریں
چھوٹے موٹے پیوندوں سے
آخر کب تک رک پائیں گی ؟
جب کوئی بادل گرجے گا
ہر ہر کرتی ڈھ جائیں گی !!!

(ہماری زبان - علی گڑھ)

کٹھور راہیں | وزیر آغا

کٹھور راہیں
جو اُلجھے دھاگوں کا ایک گچھا سا بن گئی ہیں
نہ ان کو رنگوں کی تیز برکھا سے کچھ غرض ہے
وہ تیز برکھا جو منہ اندھیرے
کسی پجارن کے کپکپاتے سفید ہونٹوں پہ ناچتی ہے
نہ ان کی منزل وہ شامِ غم ہے جو ایک میلا سا طشت لے کر
مسافروں سے لہُو کے قطروں کی بھیک رو رو کے مانگتی ہے
دہکتے تارے، حزیں دُعائیں، لرزتے ہاتھوں سے بانٹتی ہے
کٹھور راہیں تو آگے بڑھ کر، ادا دکھا کر پلٹ گئی ہیں
پلٹ کے پہلو بدل گئی ہیں

گھنیری شب اپنی کالی کملی میں گم کھڑی ہے
یہ سوچتی ہے

بھنور کی بے نور چشم تر زمیں
کوئی سا سیدھا سفید رستہ اُبھر کے چمکے
تو شب کا راہی اُدھر کو لپکے

یہ شب کا راہی
سمے کے دھارے پہ بہتے بہتے بھنور کی صورت اُبھر گیا ہے
ہزار راہوں میں گھر گیا ہے !

○

رہگذر | وقار خلیل

یہ رہگذر
رہگذارِ خوباں ہے جس کا ہر موڑ کہکشاں ہے
سجل، شگفتہ، حسیں، دلآویز، خوبصورت، بہار ساماں
ادھر سے گذرا کیا زمانہ، کہ جیسے گزرے رمیدہ آہو
جلو میں صبحوں کی مسکراہٹ
لبوں پہ روشن سی گنگناہٹ
جبیں پہ تقدیس فن کا قشقہ
نظر نظر میں سحر کے خاکے
لچکتی باہیں، مہکتے گیسو
صبیح ابرو، گداز بازو
قدم قدم پر پڑے ہیں حلقے
ٹھہر ٹھہر کر بجے ہیں گھنگھرو
یہ رہگذر، رہگذارِ خوباں ہے، جس کا ہر موڑ کہکشاں ہے
یہ رہگذر
ہوش مند محنت کشوں کی، دانش کے شاہزادوں کی رہگذر ہے
کہ جس کا ہر موڑ جہد و فن کی علامتوں کا نگر نگر ہے
میرے رفیقو!
یہ رہگذر اک نئی ڈگر ہے
یہ رہگذر فہم اور بصیرت کی رہگذر ہے
مگر ابھی زلف تا کمر ہے:

(آندھرا پردیش)

غزلیں

اختر سعید

ہے نسیمِ صبح آوارہ اسی کے نام پر
بوئے گل ٹھہری ہوئی ہے جس کلی کے نام پر

کچھ نہ نکلا دل میں داغِ حسرتِ دل کے سوا
ہائے کیا کیا تہمتیں تھیں آدمی کے نام پر

پھر رہا ہوں کو بہ کو زنجیرِ رسوائی لیے
ہے تماشا سا تماشا زندگی کے نام پر

اب یہ عالم ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں سر
مار ڈالا ایک بُت نے بندگی کے نام پر

کچھ علاج ان کا بھی سوچا تم نے اے چارہ گرو
وہ جو دل توڑے گئے ہیں دلبری کے نام پر

کوئی پوچھے میرے غمخواروں سے تم نے کیا کیا
خیر اس نے دشمنی کی دوستی کے نام پر

کوئی پابندی ہے ہنسنے پر نہ رونا جرم ہے
اتنی آزادی تو ہے دیوانگی کے نام پر

آپ ہی کے نام سے پائی ہے دل نے زندگی
ختم ہوگا اب یہ قصہ آپ ہی کے نام پر

کاروانِ صبح یارو کونسی منزل میں ہے
میں بھٹکتا پھر رہا ہوں روشنی کے نام پر

(آل انڈیا ریڈیو، کھیریال، اندور)

احمد ہمدانی

اب یہ ہوگا شاید اپنی آگ میں خود جل جائیں گے
تم سے دُور بہت رہ کر بھی کیا پایا کیا پائیں گے

دُکھ بھی سچے سکھ بھی سچے پھر بھی تیری چاہت میں
ہم نے کتنے دھوکے کھائے کتنے دھوکے کھائیں گے

عقل پہ ہم کو ناز بہت تھا، لیکن یہ کب سوچا تھا
عشق کے ہاتھوں یہ بھی ہوگا، لوگ ہمیں سمجھائیں گے

کل کے دُکھ بھی کون سے باقی، آج کے دکھ بھی کٹ جائیں گے
جیسے دن پہلے کاٹے تھے، یہ دن بھی کٹ جائیں گے

ہم سے آبلہ پا جب تنہا، گھبرائیں گے صحرا میں
راستے سب تیرے ہی گھر کی جانب کو مڑ جائیں گے

آنکھوں سے اوجھل ہونا کیا دل سے اوجھل ہونا ہے
تجھ سے چھٹ کر بھی اہلِ غم کیا تجھ سے چھٹ جائیں گے

(نیادور)

احمد ندیم قاسمی

مروں تو میں کسی چہرے میں رنگ بھر جاؤں
ندیمؔ! کاش یہی ایک کام کر جاؤں

یہ دشتِ ترکِ محبت، یہ تیرے قرب کی پیاس
جو اذن ہو تو تری یاد سے گزر جاؤں

مرا وجود، میری روح کو پکارتا ہے
تری طرف بھی چلوں تو ٹھہر ٹھہر جاؤں

ترے جمال کا پَرتو ہے سب حسینوں پر
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈوں، کِدھر کِدھر جاؤں

میں زندہ تھا کہ ترا انتظار ختم نہ ہو
جو تو ملا ہے تو اب سوچتا ہوں مر جاؤں

یہ سوچتا ہوں کہ میں بُت پرست کیوں نہ ہوا
تجھے قریب جو پاؤں تو خود سے ڈر جاؤں

کسی چمن میں، بس اس خوف سے، گذر نہ ہوا
کسی کلی پہ نہ بھولے سے پاؤں دھر جاؤں

یہ جی میں آتی ہے تخلیقِ فن کے لمحوں میں
کہ خون بن کے رگِ سنگ میں اُتر جاؤں

(نقوش)

○

اختر نظمی

ترکِ وفا کی بات کہیں کیا
دل میں ہو تو لب تک آئے

دل بیچارہ سیدھا سادا
خود روٹھے خود مان بھی جائے

چلتے رہیئے منزل منزل
اس آنچل کے سائے سائے
دُور نہیں تھا شہر تمنّا
آپ ہی میرے ساتھ نہ آئے

آج کا دن بھی یاد رہے گا
آج وہ مجھ کو یاد نہ آئے

(بیسویں صدی)

○

اختر ہوشیارپوری

ہر چند سینے میں دلِ کفر آشنا نہیں
میں اس کو پُوجتا ہوں جو میرا خدا نہیں
وہ میری زندگی ہے مگر زندگی کی طرح
مجھ سے خفا نہیں ہے کہ وہ بے وفا نہیں
کیا کیا نہ اپنے ساتھ زمانوں کو لائی ہے
وہ اِک نگاہ جس سے کوئی آشنا نہیں
شاید میں خاکداں کے دھوئیں کی لکیر ہوں
وہ مجھ کو دیکھتا ہے مگر پُوچھتا نہیں
گونج اس کی آج بھی مرے خلوت کدے میں ہے
وہ نغمہ جس کو تو نے دوبارہ سنا نہیں
ان راستوں کی گرد مری زندگی پہ ہے
جن راستوں پہ میں کبھی اخترؔ چلا نہیں

(سیپ)

اخگر مشتاق

جینے کے اگر چند سہارے بھی ملے ہیں
تو جان سے جانے کے اشارے بھی ملے ہیں

ہر چند رہِ عشق کے غم سخت ہیں، لیکن
اس راہ کے کچھ غم ہمیں پیارے بھی ملے ہیں

کچھ اپنی وفاؤں سے امید تھی ہم کو
کچھ ان کی نگاہوں کے سہارے بھی ملے ہیں

اے راہروِ راہِ جنوں، بھول نہ جانا
اس راہ میں جی جان سے ہارے بھی ملے ہیں

الزامِ تغافل ہمیں تسلیم ہے لیکن
بدلے ہوئے انداز تمہارے بھی ملے ہیں

کیا کیجئے تدبیر سے ہارا نہیں جاتا
گو، راہ میں تقدیر کے مارے بھی ملے ہیں

طوفاں میں سبھی ڈوب تو جاتے نہیں اخگر
کچھ لوگوں کو طوفاں میں کنارے بھی ملے ہیں

(بیسویں صدی)

○

ادا جعفری

دل اپنا جلایا ہے کسی نے بھی خوشی سے
بن جاتی ہے جی پر تو گزر جاتے ہیں جی سے
جھونکوں کبھی پوچھا ہے تو وہم آئے ہیں کیا کیا
مانوس ہیں اتنے تری بیگانہ روی سے
رستہ جسے مل جائے یہ توفیق ہے اس کی
پلٹا نہیں اب تک کوئی تری گلی سے
خوشبوئے بہاراں کی سنی چاپ کسی نے
مایوس نہ ہونا مری آہستہ روی سے
بن بن کے بگڑتے رہے امید کے پیکر
آذر تھے مگر کام رہا بت شکنی سے
اندیشہ بس اتنا ہی رہا دشتِ طلب میں
بھر آئے کہیں آنکھ ادا تشنہ لبی سے

(نقوش)

○

اقبال صفی پوری

ہر موڑ نئی اک الجھن ہے، قدموں کا سنبھلنا مشکل ہے
وہ سایہ نہ دیں پھر دھوپ تو کیا سائے میں بھی چلنا مشکل ہے

تابانیِ حسنِ عالم ہے گرمیِ محبت کے دم سے
پروانے اگر محفل میں نہ ہوں پھر شمع کا جلنا مشکل ہے

یارانِ سفر میں تیز قدم، اے کشمکشِ دل کیا ہوگا
رکتا ہوں تو بچھڑا جاتا ہوں، چلتا ہوں تو چلنا مشکل ہے

اب ہم پہ کھلا یہ رازِ چمن الجھا کے بہاروں میں دامن
کانٹوں سے گذرنا آساں تھا، پھولوں سے نکلنا مشکل ہے

یہ میرا مذاقِ تشنہ لبی لے آیا مجھے کس منزل پر
بہکوں تو ہنسے گا میخانہ، سنبھلوں تو سنبھلنا مشکل ہے

یا ہم سے پریشاں خوشبو تھی، پابند ہیں اب کلیوں کی طرح
یا مثلِ صبا آوارہ تھے، یا گھر سے نکلنا مشکل ہے

(نقوش)

امید فاضلی

عقل نے ہم کو یوں بھٹکایا، رہ نہ سکے دیوانے بھی
آبادی کو ڈھونڈنے نکلے، کھو بیٹھے ویرانے بھی
چشمِ ساقی بھی نم ہے لو دیتے ہیں پیمانے بھی
تشنہ لبی کے سیلِ تپاں سے بچ نہ سکے میخانے بھی
سنگِ جفا کو خوش خبری دو، مژدہ دو زنجیروں کو
شہرِ خرد میں آ پہنچے ہیں ہم جیسے دیوانے بھی
ہم نے جب جس دوست کو بھی آئینہ دکھایا ماضی کا
حیراں ہو کر عکس نے پوچھا آپ مجھے پہچانے بھی
جسم کی تشنہ سامانی سے جسم ہی ناآسودہ نہیں
ٹوٹ گئے اس زد پر آ کر روح کے تانے بانے بھی
اندیشے اور بزمِ جاناں، دار کا ذکر اور اتنا سکوت
دیوانوں کے بھیس میں شاید آ پہنچے فرزانے بھی

(سیپ)

○

بسمل سعیدی

گزر کے عشق کی حد سے بھی کچھ یہ عالم ہے
کہ جیسے عشق ابھی ان کے حسن سے کم ہے
عدُو کا گھر ہے تری راہ میں تو کیا غم ہے
سُنا ہے خُلد کے رستے میں بھی جہنّم ہے
یہ وقت کل نہ رہے گا، رہیں گے یاد یہ دن
ستم کی عمر زیادہ ہے، زندگی کم ہے
وہ اپنے ظلم سے خود بھی نہ رہ سکے محفوظ
جبیں پر آج نہ بل ہے نہ زلف میں خم ہے
عبادتوں کے لئے فرصتیں ہیں لوگوں کو
"ہمیں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے"

(بیسویں صدی)

○

بشیر بدر

میرے سینے پر وہ سر رکھے ہوئے سوتا رہا
جانے کیا تھی بات میں جاگا کیا۔ روتا رہا
وادیوں میں گاہ اترا اور کبھی پربت چڑھا
بوجھ سا اک دل پہ رکھا ہے جسے ڈھوتا رہا
گاہ پانی، گاہ شبنم اور کبھی خوناب سے
ایک ہی تھا داغ سینے میں جسے دھوتا رہا
پوچھنے والوں نے آ کر حالِ دل پوچھا مگر
درد جس پہلو سے ہوتا تھا جہاں ہوتا رہا
رونے والوں نے اٹھا رکھا تھا گھر سر پہ مگر
وہ تمام عمر جاگا تھا، پڑا سوتا رہا
رات کی پلکوں پہ تاروں کی طرح جاگا کیا
صبح کی آنکھوں میں شبنم کی طرح سوتا رہا

(نقوش)

جاوید نشاہیں

تلخیٔ زہر ابھی شاملِ جاں رہنے دے
مجھ پہ جو گذری ہے کچھ اس کا نشاں رہنے دے
یہ بجھے جام، یہ روئی ہوئی شمعیں نہ ہٹا
چند گھڑیاں خلشِ عیش گراں رہنے دے
دیکھ اُجڑے ہوئے منظر ابھی دلسوز نہیں
اور کچھ روز یونہی رنگِ خزاں رہنے دے
کچھ تو روشن ہوں مرے جسم کی تاریک رگیں
موجۂ خوں پہ کوئی شمع رواں رہنے دے
وہ ترے درد کی گہرائی کہیں دیکھ نہ لے
نوحۂ زخم کو محروم زباں رہنے دے
چند گمنام سی یادوں کی مہک ہے دل میں
اس خرابے میں یہ گلہائے خزاں رہنے دے

(سویرا)

○

جگن ناتھ آزاد

جلوہ ترا اس طرح سے ناکام نہ ہوتا
ہم طور پہ ہوتے تو یہ انجام نہ ہوتا
سنتا ہیں کہاں واعظِ ناداں کی نصیحت
گر وعظ و نصیحت میں ترا نام نہ ہوتا
غنچے کی چٹک دل کی تہوں میں نہ اُترتی
اس میں جو نہفتہ ترا پیغام نہ ہوتا
یہ رزق کی ہے، کور نگاہی کی نہیں بات
دانہ بھی نہ ہوتا جو کہیں دام نہ ہوتا
کٹتا بھلا کیونکر شبِ فرقت کا اندھیرا
پلکوں پہ چراغاں جو سرِ شام نہ ہوتا
آزاد! نشیمن سے قفس میں جو نہ آتے
اس وقت جو حاصل ہے وہ آرام نہ ہوتا

(بیسویں صدی)

○

جمیلؔ مظہری

دیے بھی ہوں تو پجاری سُورج کے سانس کیا نہیں گے تیرگی میں
کہو پتنگوں سے رقص کر لیں، چراغ کی دھیمی روشنی میں
معاف اسے نازِ رہنمائی، پہنچ کے منزل پہ بھی نہ پائی
وہ لذّتِ خواب جو میسّر ہوئی ہو سرِ راہ خستگی میں
وفا کو تھوڑی سی بے نیازی کم التفاتی نے تیری دے دی
اب اور کیا چاہیئے خودی کو تری محبت کی بے خودی میں
چھپی نہ جب خاکِ آستاں سے چھپے گی کیا چشمِ نکتہ داں سے
وہ اِک شکن جو ذرا سی اُبھری، جبینِ مجبورِ بندگی میں
اِدھر اندھیرے کی لعنتیں ہیں، اُدھر اُجالے کی زحمتیں ہیں
ترے مسافر لگائیں بستر، کہاں پہ صحرائے زندگی میں
جمیلؔ ہم اُٹھ کے گر پڑے اور گذر گیا کارواں ہمارا
غبار کی بات تک نہ پوچھی مسافروں نے رواروی میں

(نقوش)

○

جوشؔ ملیح آبادی

یوں ڈھل گیا ہے درد میں درماں کبھی کبھی
نغمے بنے ہیں گریۂ پنہاں کبھی کبھی

ہونکی ہیں بادِ صبح کی رو میں بھی آندھیاں
ابلا ہے ساحلوں سے بھی طوفاں کبھی کبھی

بڑھتا چلا گیا ہوں انھی کی طرف کچھ اور
یوں بھی ہوا ہوں ان سے گریزاں کبھی کبھی

آنچوں میں گنگناتے ہیں گلزار گاہ گاہ
شعلوں سے پٹ گیا ہے گلستاں کبھی کبھی

لے سے نکل پڑی ہے کبھی ہچکیوں کی فوج
آہیں بنی ہیں راگ کا عنواں کبھی کبھی

دامانِ گل رخاں کی اڑا دی ہیں دھجیاں
پھاڑا ہے ہم نے یوں بھی گریباں کبھی کبھی

کلیاں جھلس گئی ہیں، دہکنے لگے ہیں پھول
یوں بھی چلی ہے بادِ بہاراں کبھی کبھی

اس وقت بھی کہ خاطرِ مجموعہ تھی نصیب
کم بخت دل ہوا ہے پریشاں کبھی کبھی

(سیپ)

حفیظ جالندھری

دورِ رفتہ دیکھ لیتا ہوں گلستاں دیکھ کر
گُل کو خنداں دیکھ کر بلبل کو گریاں دیکھ کر

ناخدا پر مطمئن تھے بندگانِ ناخدا
اب خدا یاد آ رہا ہے موجِ طوفاں دیکھ کر

سنگدل سمجھا برہمن۔ شیخ سمجھے بد مذاق
ہنس پڑے دونوں مجھے اب تک مسلماں دیکھ کر

شکوہ فرماتے ہی الٹی منتیں کرنی پڑیں
دل پشیماں ہو گیا ان کو پشیماں دیکھ کر

اس مشقّت گاہ میں راحت کا یہ گوشہ حفیظ!
دیکھ لو — اور خوش رہو گورِ غریباں دیکھ کر

(نقوش)

○

خلش صہبائی

جیون کوئی امر نہیں ہے، نہ کوئی تخت اکال
اڑن کھٹولوں والے راجے جائے بسے پاتال
تو وہ پھول ہے موتی رولے گود میں جس کی اوس
ہیں وہ پتّہ ٹوٹ گروں تو روئے نہ مجھ کو ڈال
مجھ کو دل پر مان بڑا تھا جیون ساکھی جانا تھا
ایک نظر نے یہ سمجھایا، ہے یہ پرایا مال
آج منترتا بین کرے ہے کھولے اپنے بال
پریم کہاں سے پائیں جب انسانوں کا ہے کال
گھور اندھیرا زرد سویرا دونوں اس کے رُوپ
کس کو چھوڑوں کس کو ڈھونڈوں آن پڑا جنجال
چاردل اور بھرو کھنگالو چاہے سب سنسار
خلش نہ ہم سا ہوگا پیدا کوئی بھی دُکھ پال

(سیپ)

خورشید احمد جامی

اب کوئی پیار مہکتا ہے نہ جلتے ہیں بدن
آ گئی وقت کے چہرے پہ خیالوں کی تھکن
رات کچھ دیر ترے شہر میں رُک جاتی ہے
اور ہو جاتے ہیں یادوں کے دریچے روشن
جب بھی حالات نے زخموں کو چھپانا چاہا
چیخ اُٹھے ہیں اُمیدوں کے پھٹے پیراہن
زندگی آج بھی کچھ سوچ رہی ہے جیسے
ہر اُداسی کو سمجھ کر ترے ماتھے کی شکن
یُوں نظر آتے ہیں اب دُور سے ماضی کے محل
جیسے ویرانے ہیں تاریک و شکستہ مدفن!

(افکار)

○

راحت نسیم ملک

شام کے شعلے سے کیا شمعیں فروزاں ہو گئیں
خواب سی پرچھائیاں بھی جیسے انساں ہو گئیں
درد کی فصلیں ہری رُت کو ترستی ہی رہیں
اب کے شاید بے اثر آنکھوں کی جھڑیاں ہو گئیں
وقت کی ریگِ رواں میں گم ہوئے کتنے سراب
دل کو اس اندھے سفر پر نکلے صدیاں ہو گئیں
وہ نہیں تو سب نے گہری چُپ کی چادر اوڑھ لی
شہر کی ہنستی گذر گاہیں بھی ویراں ہو گئیں
چاند آنکھوں میں اتر کر کچھ عجب دکھ دے گیا
سونی راتیں میری تنہائی کی پہچاں ہو گئیں
سوچ کی رو ذہن کے شیشے میں ڈھلتے ہی نسیمؔ
کتنی تصویریں تھیں جو کاغذ پہ عُریاں ہو گئیں

(سویرا)

○

رفعت سلطان

جو زیبِ صلیب و دار ہوئے
دونوں عالم کا شاہکار ہوئے
دل کو تسکیں ہو کس طرح کہ تجھے
اور بھی دل کے بے قرار ہوئے
کوئی پوچھے تو کیا بتائیں کہ ہم
عشق میں کیوں ذلیل و خوار ہوئے
جب خلوص و وفا کی بات چلی
میرے احباب شرمسار ہوئے
جاؤں گا سوئے کوئے رُسوائی
جب بھی حالات سازگار ہوئے

(شمع)

ساحر ہوشیار پوری

بے طرح دل خوشی سے ڈرتا ہے
کون اتنا کسی سے ڈرتا ہے

اُف ری نیرنگیاں زمانے کی
آدمی آدمی سے ڈرتا ہے

دشمنی ہی نہ ہو مآل اس کا
دل تیری دوستی سے ڈرتا ہے

یہ بھی ہے اِک تعلق خاطر!
کون ورنہ کسی سے ڈرتا ہے

منزلیں گرد بن گئیں پھر بھی
رہ نما رہبری سے ڈرتا ہے

عشق فرما روائے ہفت افلاک
آپ کی برہمی سے ڈرتا ہے

جب سے وہ بے وفا ہوئے ساحر
دل میرا ہر کسی سے ڈرتا ہے

(محفل)

○

سلام مچھلی شہری

صبح دم بھی یوں فسردہ ہو گیا
اے دلِ نازک تجھے کیا ہو گیا
سینۂ بربط سے جو شعلہ اُٹھا
غم زدوں کے دِل کا نغمہ ہو گیا
شکریہ اے گردشِ جامِ شراب
میں بھری محفل میں تنہا ہو گیا
رات دل کو تھا سحر کا اِنتظار
اب یہ غم ہے کیوں سویرا ہو گیا
پوچھئے اس سے غمِ سازِ خلوص
چار ہی دن میں جو رسوا ہو گیا
بجھ گئی کچھ اس طرح شمعِ سلام
جیسے اِک بیمار اچھّا ہو گیا

(صبا)

○

سلیمان اریب

جو پا کر بھی کچھ نہیں کھوتے، وہ روتے ہیں اس دنیا میں
آنسو ہوں دامن پہ کسی کے ہم دھوتے ہیں اس دنیا میں
اندھوں کی بستی میں کب سے آئینے میں بیچ رہا ہوں
مجھ جیسے بھی عقل کے اندھے کم ہوتے ہیں اس دُنیا میں
خواب اگر جھوٹے ہوں بھی تو تعبیریں سچّی ہوتی ہیں
میری نیند اڑانے والے کب سوتے ہیں اس دُنیا میں
جب وہ ملے تھے، زخم ہنسے تھے، پات ہرے تھے پھول کھلے تھے
کتنی رُتیں آئیں بھی گئیں بھی ہم روتے ہیں اس دُنیا میں
کانٹوں کی برساتیں پا کر ہم نے تو گل بانٹے لیکن
فصل خوشی کی کاٹنے والے غم بوتے ہیں اس دُنیا میں
صدیوں کی تہذیب کے خالق قبریں اپنی چھوڑ گئے ہیں
اور ان قبروں کی مٹی ہم ڈھوتے ہیں اس دُنیا میں

(اُردو ادب، علی گڑھ)

شہرِ تقدس کے کوچے تو پہلے سے ہی بند تھے اب
ہم ایسے شوریدہ سروں پر تنگ ہوئے میخانے بھی
جب لمحوں میں سال گزارے غیروں نے بھی ساتھ دیا
جب صدیوں میں لمحے کاٹے ٹوٹ گئے یارانے بھی
ہم جو تیری نین ندی میں ڈوبے بھی تو کیا ڈوبے
دل میں غم دوراں کی باتیں، لب پہ ترے افسانے بھی
شہر کی بربادی پر تنہا میخواروں کو رنج نہ تھا
جام و سبو بھی افسردہ تھے روتے تھے میخانے بھی
آؤ پہلے مل کر ان راہوں سے کانٹے دُور کریں
ہوں گی پھر کلیوں کی باتیں پھولوں کے افسانے بھی
چلتی پھرتی لاشوں سے ہم پیار کی باتیں کرتے ہیں
اہلِ خرد بھی ہم سے خفا ہیں نالاں ہیں دیوانے بھی
پھر دیکھے ہم کیسے اس پر جان نچھاور کرتے ہیں
کوئی ہمیں اپنا بھی جانے کوئی ہمیں پہچانے بھی

(منشور)

سیمنٹ زلفی

مہکا ہے زخم زخم، ہوائیں ہیں منچلی
برسا ہے تیری یاد کا ساون گلی گلی

دیوار و در تو راہ میں حائل نہ ہو سکے
آگے بڑھوں تو پاؤں پکڑتی ہے بیکلی

اِک ماہتاب تھا کہ پگھلتا چلا گیا
اِک شمع تھی کہ ساتھ مرے رات بھر جلی

وہ روشنی جو تو نے ہمیں دی تھی دن ڈھلے
وہ روشنی بھی ہم نے لٹا دی گلی گلی

یہ اور بات ہم ہی اُجالوں سے دُور ہیں
ورنہ ہمیں نے تیری جبیں پر شفق ملی

سائے کا اِک نقاب سا رُخ پر بکھر گیا
یادِ سحر جو اس کے گریباں سے ڈھلی

شعلہ فشاں ہے شدّتِ ادراک سے بدن
اِک کرب کے الاؤ سے دیوانگی بھلی

لَو دے اٹھی ہیں بیتے دنوں کی رفاقتیں
بجھتے شرر کبھی آگ بنے وہ ہوا چلی

(اوراق)

○

شاذ تمکنت

سحر و شام مری دُور کی آہٹ جیسے
بسترِ خواب پہ جاگی ہوئی کروٹ جیسے
اِک تصنّع ہے کہ سب جیتے ہیں جی لینا ہے
زندگی تیرے بغیر ایک بناوٹ جیسے
تری پلکیں ہیں کہ جس طرح سپر ڈالے کوئی
تری آنکھیں ہیں تری پیاس کا پنگھٹ جیسے
انگلیاں کانپتی ہیں چٹکیاں جل اُٹھتی ہیں
آج تک حسن کے چہرے پہ ہو گھونگھٹ جیسے
کِس کو معلوم تھا ناموسِ جبیں کا انجام
ایک دُنیا ہوئی مجھ کو تری چوکھٹ جیسے
روشنی چھنتی ہوئی اُس کے کاشانے سے
کوئی بھولے سے کھُلا چھوڑ گیا پٹ جیسے
شاذ نغموں پہ شبِ وصل کا نور اُترا ہے
اس کی پیشانی پہ بالوں کی کوئی لٹ جیسے

(نقوش)

○

شاعرؔ لکھنوی

جو چپ رہیں تو کسک ہو ہنسیں تو خوں ٹپکے
تری نظر نے دیا زخم بھی رفو کی طرح
سکھا رہے ہیں وہ آدابِ میکشی ہم کو
جو میکدے میں چھلکتے رہے سبو کی طرح
سراغ قتل ملا خود ادائے قاتل سے
وہ رنگِ رُخ بھی پکارا مرے لہو کی طرح
سکوت پر بھی وہ شاید بٹھائیں گے پہرے
سکوت بھی تو ہے اِک جُرم، گفتگو کی طرح
ترے وصال کی خوشبو، ترے فراق کا رنگ
مرا وجُود ہے اِک شہرِ رنگ و بو کی طرح
ہمیں بھی دیکھ کہ ہم زندگی کے صحرا میں
کھلے ہوئے ہیں کسی زخمِ آرزو کی طرح

(نقوش)

○

شاہد عشقی

صبحِ طرب میری آنکھوں میں خواب کئی لہرائے تھے
شامِ الم کے ساتھی لیکن بڑھتے پھیلتے سائے تھے
ایک تمہارے پیار کی خاطر جگ کے دُکھ اپنائے تھے
ہم نے اپنے ایک دیپ سے کتنے دیپ جلائے تھے
صرف جوانی کے کچھ دن ہی عمر کا حاصل ہوتے ہیں
اور جوانی کے یہ دن بھی ہم کو راس نہ آئے تھے
حسن کو ہم نے امر کہا تھا، پیار کو سچّا جانا تھا
ایک جوانی کے کس بل پر سارے سچ جُھٹلائے تھے
اس کے بنا جو عمر گذاری بے مصرف سی لگتی تھی
اس بے مہر سے دِل کو لگا کر بھی ہم ہی پچھتائے تھے
بے مہری کی تہمت بھی ہے مہر و مروّت والوں پر
اسی ہوا نے مرجھائے ہیں جس نے پھُول کھلائے تھے
غرقِ بادہ ناب ہوئے وہ چاند سے چہرے پھول سے جسم
تم نے جن کی یاد میں عشقی جام کبھی ٹکرائے تھے

(سیپ)

شاہد منصور

اپنے آپ بنا کرتی ہے ذہن میں ایک عجب تصویر
دل کو گھیرے رکھتی ہے انجانی خوشبو کی زنجیر
وقت کی بادِ تند الٹتی جاتی ہے اوراقِ حیات
کون بھلا پڑھنے پایا ہے بھاگتے لمحوں کی تحریر
دشتِ ہوس کے رہنے والے درد کے رشتے کیا سمجھیں
ایک ہی قوس میں گھومتے جائیں اپنی تمنّاؤں کے اسیر
جنگل جنگل پوچھ رہے ہیں منہ پھاڑے تاراج کھنڈر
کب تک یوں ہی صحراؤں میں ہوگی شہروں کی تعمیر
سب کچھ بھول چکے ہم لیکن اب بھی دل میں تیری یاد
جیسے سوئی ہوئی سڑکوں پر جھاگے روشنیوں کی لکیر
جسموں کے اس شہرِ طرب میں شاہد کون بتائے گا
کب آنکھیں بن آنسو روئیں کیسے نگاہ بنی زنجیر

(سیپ)

○

شبنم رومانی

میں نے کس شوق سے اِک عمر غزل خوانی کی
کتنی گہری ہیں لکیریں میری پیشانی کی
وقت ہے میرے تعاقب میں، چھپا لے مجھ کو
جوئے کم آب! قسم تجھ کو ترے پانی کی
یوں گذرتی ہے رگ و پے سے تری یاد کی لہر
جیسے زنجیر چھنک اُٹھتی ہے زندانی کی
اجنبی سے نظر آئے ترے چہرے کے نقوش
جب ترے حُسن پہ میں نے نظرِ ثانی کی
مجھ سے کہتا ہے کوئی آپ پریشان نہ ہوں
مری زُلفوں کو تو عادت ہے پریشانی کی
زندگی کیا ہے؟ طلسمات کی وادی کا سفر
پھر بھی فرصت نہیں مِلتی مجھے حیرانی کی
وہ بھی کتنے ذکر بھی تھا رنگِ غزل کا شبنم
پھر تو میں نے سرِ محفل وہ گل افشانی کی

(اوراق)

○

ظہیر کاشمیری

کچھ بس نہ چلا، جذبۂ خود کام کے آگے
جھکنا ہی پڑا اس بُتِ بدنام کے آگے

اِک اور بھی حسرت ہے پسِ حسرتِ دیدار
اِک اور بھی آغاز ہے انجام کے آگے

آ، اور ادھر کوئی تجلّی کی کرن پھینک
بیٹھے ہیں گدا تیرے در و بام کے آگے

یہ عشق ہے بازیچۂ اطفال نہیں ہے
کچھ اور بھی ہے کوچۂ اصنام کے آگے

یوں اُن کی جفاؤں سے ملی ہم کو بصیرت
ہم جھک نہ سکے گردشِ ایّام کے آگے

اے پختہ خرد! مجھ کو قسم میرے جنوں کی
دنیائے حقیقت بھی ہے اوہام کے آگے

اب کچھ بھی نہیں حاصلِ تدبیرِ محبّت
اب کچھ بھی نہیں نامہ و پیغام کے آگے

○

عبدالحمید عدمؔ

ایک دل کش زہر سے لبریز پیمانے کا نام
زندگی کیا ہے خوشی سے جل کے مر جانے کا نام
عقل ہے بالمصلحت بے اعتمادی کی روش
عشق ہے بے ساختہ ایمان لے آنے کا نام
آگہی کیا ہے مسلسل خود فریبی کا چلن
روشنی کیا ہے فریبِ مستقل کھانے کا نام
خامشی عریانئ مفہوم کا تابش کدہ
گفتگو معشوق کو ملبوس پہنانے کا نام
اب مجھے دار و رسن کی سمت مُڑنے دیجئے
آپ نے خود تو چُنا تھا میرے افسانے کا نام
خواہشوں کی ابتدا، غنچے چٹخنے کی صدا
خواہشوں کی انتہا پھولوں کے مُرجھانے کا نام
دوستداری کا یہ پیرایہ بھی کیا دلچسپ ہے
لے رہے ہیں سامنے میرے وہ بیگانے کا نام
ہیں عدمؔ کے ذکر پر کیوں آپ اتنے پُرغضب
شمع کے ہمراہ آ جاتا ہے پروانے کا نام

(نقوش)

عبدالمجید بھٹّی

حاصلِ عمرِ رواں وہ ایک پل
جس میں تھا پہلی نظر کا روپ چھل

دیدہ و دل کے لئے ہیں رہنما
یہ جھجک، نیچی نظر، ابرو پہ بل

پیاس لگتی ہے تو کیوں بجھتی نہیں
آپ آئے تو ہوئی الجھن یہ حل

کیا بُرا تھا بند ہی رہتی نظر
زندگی بے کیف سی ہے آجکل

نامۂ اعمال ابھی بے رنگ ہے
چار دن کی چاندنی جائے نہ ڈھل

کام تیرا ہے گھنی چھاؤں میں کیا
تو مسافر ہے، تجھے چلنا ہے چل

پھر کہیں سے اِک ذرا آواز دے
سر پہ آئی مَوت بھی جاتی ہے ٹل

(نقوش)

○

غلام ربّانی تاباں

ایک تم ہی نہیں دُنیا میں جفا کار بہت
دل سلامت ہے تو دل کے لئے آزار بہت
ہائے کیا چیز ہے محرومی و غم کے رشتے
مل گئے زیست کے ہر موڑ پہ غمخوار بہت
یادِ احباب کی خوشبو سے مہکتی شامیں
کچھ کہو، ہوتی ہیں کم بخت دل آزار بہت
عشق آوارہ کہاں، قید در و بام کہاں
بے نواؤں کے لئے سایۂ دیوار بہت
دل کی رفتار بدل جاتی تھی آواز کے ساتھ
یاد آتا ہے وہ پیرایۂ گفتار بہت
وقت اِک روز بتائے گا جنوں کی عظمت
یوں تو ہم لوگ ہیں رسوا سرِ بازار بہت

(شمع)

○

فراقؔ گورکھپوری

چھیڑ اے دل یہ کسی شوخ کے رخساروں سے
کھیلنا آہ دہکتے ہوئے انگاروں سے

ہم، شبِ ہجر میں، جب سوتی ہے ساری دُنیا
ذکر کرتے ہیں ترا چھٹکے ہوئے تاروں سے

اشک بھر لائے، کسی نے جو ترا نام لیا
اور کیا ہجر میں ہوتا ترے بیماروں سے

چھیڑ نغمہ کوئی، گو دل کی شکستہ ہیں رگیں
ہم نکالیں گے صدا، ٹوٹے ہوئے تاروں سے

ہم کو تیری ہے ضرورت نہ اسے بھول اے دوست
تیرے اقراروں سے مطلب ہے نہ انکاروں سے

ہم ہیں وہ بے کس و بے یار کہ بیٹھے بیٹھے
اپنا دُکھ درد کہا کرتے ہیں دیواروں سے

اہلِ دُنیا سے یہ کہتے ہیں مرے نالۂ دل
ہم صدا دیں گے غمِ ہجر کے میناروں سے

عشق ہمدردیٔ عالم کا روا دار نہیں
ہو گئی بھول فراقؔ آپ کے غمخواروں سے

(بیسویں صدی)

○

فضا ابن فیضی

پاؤں کے کانٹے، روح کے نشتر جیون جیون بکھرے ہیں
میرے عہد کے انساں ہیں یا زخم کے خرمن بکھرے ہیں
ہمت ہو تو جھانک کے دیکھو ہستی کی محرابوں سے
وقت ہے وہ دیوار کہ جس میں درد کے روزن بکھرے ہیں
نغموں پر سر دھننے والے، ساز کا سینہ چیر کے دیکھ
گیت کا چنچل روپ بدل کر روح کے شیون بکھرے ہیں
جب بھی تیری یاد کا موسم دل کو چھو کر گزرا ہے،
میری پیاسی آنکھوں سے جلتے ہوئے ساون بکھرے ہیں
لٹ جائیگی جسم کی چاندی، سیم بدو ہشیار رہو
شہر کی خوابیدہ گلیوں میں جاگتے رہزن بکھرے ہیں
لوگ تمہارے عارض و لب سے کرلیں گے تعبیر انہیں
کچھ ان دیکھے جلوے ہیں جو چلمن چلمن بکھرے ہیں
موتی جیسے جگمگ کرتے، پتھر جیسے بھاری لوگ
راہوں میں کنکر کی طرح حالات کے کارن بکھرے ہیں
مجھ سے میرے دورِ جنوں کے ناگفتہ حالات نہ پوچھ
جلتے آنسو، بھیگے شعلے، دامن دامن بکھرے ہیں

(نقوش)

○

فیض احمد فیضؔ

یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے انداز کا رنگ
یوں فضا مہکی کہ بدلا مرے ہمراز کا رنگ

سایۂ چشم میں حیراں رُخِ روشن کا جمال
سرخئ لب میں پریشاں تری آواز کا رنگ

بے پئے ہوں کہ اگر لُطف کرو آخرِ شب
شیشۂ مے میں ڈھلے صبح کے آغاز کا رنگ

چنگ و نے رنگ پہ تھے اپنے لہو کے دم سے
دل نے لے بدلی تو مدّھم ہوا ہر ساز کا رنگ

اِک سخن اور کہ پھر رنگ تکلّم تیرا
حرفِ سادہ کو عنایت کرے اعجاز کا رنگ

(سیپ)

○

قتیل شفائی

پیار کی راہ میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
صرف آنسو جہاں انسان کے کام آتے ہیں
ان کی آنکھوں سے رکھے کیا کوئی امیدِ کرم
پیاس مٹ جائے تو گردش میں وہ جام آتے ہیں
زندگی بن کے وہ چلتے ہیں مری سانس کے ساتھ
ان کو ایسے کئی اندازِ خرام آتے ہیں
ہم نہ چاہیں تو کبھی شام کے سائے نہ ڈھلیں
ہم تڑپتے ہیں تو صبحوں کے سلام آتے ہیں
ہم پہ ہو جائیں نہ کچھ اور بھی راتیں بھاری
یاد اکثر وہ ہمیں اب ہر شام آتے ہیں
چھن گئے ہم سے جو حالات کی راہوں میں قتیل
ان حسینوں کے ہمیں اب بھی پیام آتے ہیں

(نقوش)

کیفؔ انصاری

چاند ابھرا نہ میرے جسم سے سایا نکلا
شامِ غم آئی تو میں گھر سے اکیلا نکلا

آج آیا ہے دریچے پہ ہوا کا جھونکا
آج کوئی تو مجھے دیکھنے والا نکلا

یہ الگ بات کہ کھلنے لگے پلکوں کے ورق
نوکِ لب سے نہ کبھی حرفِ تمنا نکلا

ہو گئے اور، در و بام نظر سے اوجھل
درحقیقت یہ اُجالا بھی اندھیرا نکلا

کوئی آواز تو آ جاتی کہیں سے واپس
یہ کنواں گھر کا تو اتنا بھی نہ گہرا نکلا

لَوٹ جا، اب مری آنکھوں میں نہیں ہیں آنسو
تو سمندر جسے سمجھا تھا وہ صحرا نکلا

(سیپ)

○

مجیب خیر آبادی

یہ عروج ہستی ہے یا زوالِ ہستی ہے
اُن کی آرزو مہنگی اپنی موت سستی ہے
کھُل چکے ہیں رندوں پر رازہائے میخانہ
خود نگاہِ ساقی سے تشنگی برستی ہے
دُور تک نہیں کوئی ساتھ دشتِ غربت میں
راستوں کی ویرانی اور دل کو ڈستی ہے
کچھ تو اے غمِ جاناں تجھ کو بھولنا ہوگا
صرف تیرا ہو رہنا اِک بلند پستی ہے
اک تجھی کو چاہا تھا کیا خدائی چاہی تھی
پھر بھی کم نظر دنیا جرم دِل پہ ہنستی ہے
کل انہیں کی پیشانی صبحِ نو جگائے گی
جن کی تیرہ بختی پر آج رات ہنستی ہے
دل مجیبؔ ایسے میں ڈوب ڈوب جاتا ہے
جب نگاہِ دشمن سے دوستی برستی ہے

(سیپ)

○

محسن بھوپالی

جامِ ہتی قبول نہ تھا غم سمو لئے
پھولوں کے انتظار میں کانٹے چبھو لئے

محرومیٔ دوام بھی کیا لطف دے گئی
یہ سوچ کر ہنسے ہیں کہ اِک عمر رو لئے

ہم ہیں وہ سادہ لوح کہ پا کر رضائے دوست
خود اپنے ہاتھ اپنے ہی خوں میں ڈبو لئے

پچھلا پہر ہے شب کا کہ ہے شام کا سماں
وہ کیا بتا سکیں گے جو اِک نیند سو لئے

کیا جبر ہے ثبوتِ وفا پیش کیجئے
اور ان کا نام آئے تو پھر لب نہ کھولئے

(سیپ)

محشر بدایونی

نہیں گلوں کی جو کانٹوں کی اب خوشی ہے مجھے
کہ راستے میں یہ دولت پڑی ملی ہے مجھے
کچھ ایسی آگ سی محسوس ہو رہی ہے مجھے
کہیں کی بھڑکی ہوئی جیسے لگ گئی ہے مجھے
بہت میں سوچ چکا پھر بھی ایک سوچ میں ہوں
کہ جیسے اور بھی کچھ سوچنا ابھی ہے مجھے
رہ سفر میں ہے دور ایک ضو خدا جانے
یہ شہر سے کہ بیاباں سے تک رہی ہے مجھے
کلی کے دل پہ گئی ہے مری نظر جب سے
بہت عزیز کلی کی شگفتگی ہے مجھے
ہوس کے دورِ جنوں میں مرے لئے کیا ہے
چلو، نصیب تو اِک زخم آگہی ہے مجھے

(الشجاع)

○

مخمور سعیدی

بیانِ شوق پہ مائل وہ کم نظر ہوں گے
جو ضبطِ شوق کی لذّت سے بے خبر ہوں گے
لذیذ ہو تو حکایت دراز ہوتی ہے!
ہم اہلِ غم کے فسانے تو مختصر ہوں گے
ملے گی عشق کی ان میں بھی کار فرمائی
وہ حادثے جو کسی اور نام پر ہوں گے
کھلا نہ تھا یہ کبھی راز ان کی قربت میں
کہ دور ہو کے وہ مجھ سے قریب تر ہوں گے
تو آفتابِ حقیقت کہیں طلوع تو ہو!
نہ ہو سکیں، ترے ہم رو برو، مگر ہوں گے
جو گا دئے ہیں وہ نغمے بھی خیر میرے ہیں
مگر جو گا نہ سکا وہ حسین تر ہوں گے
اب ان کا ذکر مری گفتگو میں ہے مخمور!
اب اعتراض مری بات بات پر ہوں گے

(پونم۔حیدر آباد)

مضطر اکبر آبادی

بچ کر چلے ہیں راہ میں ہر نقش پا سے ہم
آگے رہے ہیں چار قدم رہنما سے ہم
سائے کی بھیک دھوپ سے مانگیں تو کس لئے
کیوں لیں وفا کا عہد کسی بے وفا سے ہم
اک مستقل سکوت ہے دل سے زبان تک
محروم ہو گئے ہیں اب اپنی صدا سے ہم
جرم وفا کیا ہے کریں گے ہزار بار
ڈرتے نہیں جہاں کی کسی بھی سزا سے ہم
بجھتے ہوئے چراغ سے لیتے ہیں روشنی
بڑھتے ہیں ابتدا کی طرف انتہا سے ہم

(نقوش)

○

مظہر امام

ہے بھرے درختوں کے باوجود بن تنہا
روز و شب کے ہنگامے پھر بھی انجمن تنہا

رتجگوں کے وہ ساتھی کس جہاں میں بستے ہیں
کیا ہمیں تک آئے گی صبح کی کرن تنہا

زلف کی حسیں راتیں کس پہ سایہ افگن ہیں
میرے گھر تک آتی ہے بوئے یاسمن تنہا

تیری یاد نے اُٹھ کر مجھ سے کل یہ پوچھا تھا
اپنے غم کے صحرا میں جا سکو گے تن تنہا

کچھ کمی نہ تھی دل کی کوچۂ محبّت میں
ایک ہم ہی آئے تھے لے کے جان و تن تنہا

ہائے یہ شبِ وعدہ دِل کا حال کیا کہیے
حُجلۂ عروسی میں جس طرح دلہن تنہا

تھی خدا کی شرکت بھی ورنہ بوجھ نفرت کا
کِس طرح اٹھا پاتے شیخ و برہمن تنہا

ناصر کاظمی

○

تین اشعار

ہوا بھی چل رہی ہے اور جاگتی ہے رات بھی
جو آپ کچھ کہیں تو ہم سنائیں دل کی بات بھی

○

ترے بغیر بھی خالی نہیں مری راتیں
ہے ایک سایہ مرے ساتھ ہمنشیں کی طرح

○

اے یادِ دوست آج تو جی بھر کے دل دُکھا
شاید یہ رات ہجر کی آئے نہ پھر کبھی

(اسلیپ)

○

نذیر بنارسی

ایک دیوانے کو آج آئے ہیں سمجھانے کئی
پہلے میں دیوانہ تھا اور اب ہیں دیوانے کئی

عقل بڑھ کر بن گئی تھی دردِ سر جاتے کہاں
آگئے دیوانگی کی حد میں فرزانے کئی

ساری دنیا آ رہی ہے دیکھنے کے واسطے
سر پھروں نے ایک کر ڈالے ہیں ویرانے کئی

کیا ہمارے دَور کے کچھ پینے والے اُٹھ گئے
آج خالی کیوں نظر آتے ہیں پیمانے کئی

مجھ کو چُپ رہنا پڑا صرف آپ کا منہ دیکھ کر
ورنہ محفل میں تھے میرے جانے پہچانے کئی

کس طرح وہ دن بھلاؤں جب بُرے دن کا شریک
ایک بھی اپنا نہیں تھا اور بیگانے کئی

میں وہ کاشی کا مسلماں ہوں کہ جس کو اے نذیر
اپنے گھیرے میں لئے رہتے ہیں بُت خانے کئی

(آجکل)

رُباعیات

اختر انصاری

کیا قہر کو معبود! پیئے بیٹھا ہے
انصاف کے ہونٹوں کو سیئے بیٹھا ہے
آدم نے بنا ڈالے جہنّم لاکھوں
تو ایک جہنّم کو لئے بیٹھا ہے

(بیسویں صدی)

○

میرا ہی نہیں سب کا بھلا ہو یا رب
مرہونِ اثر سب کی دُعا ہو یا رب
تخصیص سے کیا کام تری رحمت کو
بربادیٔ دل سب کو عطا ہو یا رب

(نقوش)

○

اوندھے مئے رجعت کے پیالے کر دو
برباد تباہی کے سب آلے کر دو
جو فکر تہی دست ہے ماضی کی متاع
اس فکر کو ماضی کے حوالے کر دو

رُباعیات

جوشؔ ملیح آبادی

غم کے ہاتھوں کبھی خوشی میں آئے
رونے کے مزے کبھی ہنسی میں آئے
کشتی ہی بھنور گاہ، بھنور خود کشتی
کیا کیا طوفان زندگی میں آئے

○

اب چھاؤں کہیں پائی نہیں جاتی
اُف دُھوپ کی داد ائی نہیں جاتی
کس ناؤ کے ڈوبنے کی دل پر ہے یہ چوٹ
ساحل کی ہوا کھائی نہیں جاتی

○

کیا لوگ رواں دواں ہیں چشم بد دور
شاداب و شگفتہ و بحالِ مسرور
بغلوں میں چھپائے ہوئے اپنے کرتوت
کاندھوں پہ بٹھلائے ہوئے اوروں کے قصور

(افکار)

رُباعیات

صہبا اختر

گو سرحدِ ادراک سے ٹکراتا ہوں
کب اپنا کہیں کوئی نشاں پاتا ہوں
کیا میری حقیقت ہے، مگر اتنا ہے
وہ خواب ہوں جو خود کو نظر آتا ہوں

○

شرمائی رہے گی یونہی کلیوں کی مہک
دھندلائی رہے گی یونہی تاروں کی چمک
آفاق سے ہوگی نہ کوئی صبح طلوع
لہراتے رہیں گے تیرے گیسو جب تک

○

آنچل میں چھپے رہتے ہیں اے قلبِ حزیں
وہ چاند سا چہرہ وہ ستارہ سی جبیں
چھوتا ہوں اگر ہاتھ تو کہتا ہے کوئی
"اللہ نہیں، چھوڑیئے اللہ نہیں"

(سیپ)

○

قطعات

ظفر احمد نظامی

تیری یادوں کا آسرا لے کر
جتنے غم تھے غلط کئے ہم نے
زندگانی کے عہد نامے پر
خون سے دستخط کئے ہم نے

○

زندگی کے ہر ایک لمحے میں
آرزو کا طلسم ٹوٹ گیا
اور جب آرزو کے دن آئے
زندگانی کا ساتھ چھوٹ گیا

○

زیست معتوب ہو گئی اے دوست
دل لگی خوب ہو گئی اے دوست
جو بھی دیوانگی کی بات ہوئی
مجھ سے منسوب ہو گئی اے دوست

(سفیر، اندور)

قطعات

نریش کمار شاد

کس قدر احترام کرتے ہیں
اپنے پندار اپنی ذات کا ہم
ایسی کتنی حماقتیں ہیں جنہیں
نام دیتے ہیں تجربات کا ہم

○

ہے طرب کا الم سے یارانہ
زندگی موت کی سہیلی ہے
تیری دُنیا تو اے مرے خالق
اک پُر اسرار سی پہیلی ہے

○

تیری قسمت میں بدنصیب انساں
شادمانی کا ہے کہاں امکاں
تو مسرّت جسے سمجھتا ہے
وہ تو ہے غم کا عارضی فقداں

○

(شمع)

دوہے

افضل پرویز

کیچ ہی کیچ ہے نیل کنول تک، کائے کروں اُپائے
اِک پَل کھینچ نکاروں، دُوجا اور بھی دھنستا جائے

○

ساحل سے کچھ سیپیاں چُن کر خوش ہو بال سجان
یہ سوچو کتنی کشتیائیں نِگل گیا طوفان

○

رین بڑی کلموہی، کایا چھایا ایک کرے
اوشا کی جے ہو، ہر آشا اصلی روپ بھرے

○

بیری نگری نگری آپ ہی کال الاؤ جلائے
دانہ دانہ دان کرے پھر اَن داتا کہلائے

○

اندھیاری راتوں کے راہی رین ہے ایسی گھور
شرن کے کارن دستک دو تو بستی جانے چور

○

دل کو خون کیا ہے ہم نے تب، یہ کبت کہے
دہی گنی اِن کو پرکھے گا جس نے درد سہے

○

(اوراق اور امروز)

دوہے

شبنم فاروقی

ماتھے چاند پُنم کا چمکے ٹھوڑی بیچ اِک تارا
تیرا دھیان کروں تو رجنی کلجگ بھی اجیارا

○

دیئے کی اُترن جن آنکھوں کی شوبھا اور بڑھائے
ان آنکھوں سے اُتر گئے تو کون تمہیں اپنائے

○

تجھ سے ملے تو اور ہوا کچھ پاگل جیا اُداس
بجھتی ہے اوس کی بُوند سے گوری کب ساگر کی پیاس

○

آنکھ لگی تو آن براجے بن کر سکھ کا سپنا
آنکھ کھلی تو انگ لگائے ساتھی تھا دکھ اپنا

○